مبادیاتِ فقہ

از

مولانا مفتی محمد اسمٰعیل صاحب

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

بار اول : ستمبر ۱۹۸۰ء

باہتمام : اشرف برادرز ۔ لاہور

طباعت : وفاق پریس

قیمت : 19/-

ناشر : ادارۂ اسلامیات

ملنے کے پتے

ادارۂ اسلامیات ۱۹۰ ۔ انارکلی ۔ لاہور

دارالاشاعت اردو بازار ۔ کراچی ۱

مکتبہ دارالعلوم ۔ دارالعلوم ۔ کراچی ۱۴

ادارۃ المعارف ۔ دارالعلوم ۔ کراچی ۱۴

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما
قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم ، فقیہ واحد اشد
علی الشیطان من الف عابد

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ :
ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں
سے سخت تر ہے ۔ (ترمذی ، ابن ماجہ)

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
پیش لفظ	۶	ساتویں تعریف	۱۷
مقدمہ کی تعریف اور اقسام مقدمہ	۷	فقہ کا موضوع	″
مقدمۃ العلم	۱۰	فقہ کی غرض وغایت	۱۸
علم کی تعریف	″	استمداد	۱۹
اقسام علم	۱۱	حکم	″
فقہ کی لغوی تعریف	۱۲	فضیلت	۲۰
فقہ کی اصطلاحی تعریفات	۱۳	ایک اہم تنبیہ	۲۲
پہلی تعریف	″	اسماء	۲۷
دوسری ″	″	واضع	″
تیسری ″	۱۵	حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ	۲۸
چوتھی ″	″	کا تذکرہ	
پانچویں ″	″	حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ	۳۱
چھٹی ″	۱۶	کا تذکرہ	

ذہانت فطانت	۳۲
حاسدین ومعاندین	۳۸
فقہ حنفی	۳۹
وفات	۴۴
حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ	۴۶
حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ	۵۰
حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کا تذکرہ	۵۱
تذکرہ تلامذہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ	۵۲
تذکرہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ	۵۳
تذکرہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ	۵۶
ایک ضروری فائدہ	۶۰
تذکرہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ	۶۰
حسن بن زیاد رحمۃ اللہ	۶۲
امام صاحب کے دیگر تلامذہ	۶۴

طبقاتِ فقہاء کا مفصل بیان	۶۴
پہلا طبقہ	۶۵
دوسرا طبقہ	″
تیسرا طبقہ	۶۶
چوتھا طبقہ	″
پانچواں طبقہ	۶۷
چھٹا طبقہ	″
ساتواں طبقہ	″
کیا اب بھی مجتہد مطلق پیدا ہو سکتے ہیں؟	۷۰
طبقاتِ کتب وطبقاتِ مسائل	۷۱
متقدمین ومتاخرین کا مصداق	۷۵
سلف وخلف کا مصداق	″
قالوا اور قیل کا مطلب	″
ینبغی اور لاینبغی کا مطلب	۷۶
لاباس کا مطلب	″

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیشِ لفظ

(از مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری استاذ دار العلوم دیوبند)

قدرت نے انسان کی فطرت میں کسب کمالات کی بے پناہ خواہش ودیعت فرمائی ہے۔ جب اس کے سامنے کسی چیز کی خوبی بیان کی جاتی ہے تو اس کی حساس طبیعت اس کی تحصیل کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور غیر محسوس طور پر اس چیز کی محبت اس کے دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے فلسفہ تعلیم میں ہر طالب علم کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ فن کے شروع میں فن کی تعریف، موضوع، غرض وغایت اور مصنفِ کتاب کی سوانح سے ضروری واقفیت حاصل کرے۔ ماہرینِ تعلیم نے ان چیزوں کو طلب علم کے لیے اصول ومبادی قرار دیا ہے۔

اور کمالاتِ انسانی کی دو قسمیں ہیں، کمالِ علمی اور کمالِ عملی ——————

کمالِ علمی کو کمالِ عملی پر جو برتری حاصل ہے وہ کسی بیان کی محتاج نہیں ہے۔ پھر علم کی دو قسمیں ہیں: دینی علم اور دنیوی علم۔ اور فضیلت کا مدار چونکہ افادیت پر ہے، اور دنیوی علوم کی افادیت وقتی ہے اور دینی علوم کی افادیت ابدی ہے، اس لیے دینی علوم کے تفوق میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔

اور علوم دینیہ میں علمِ فقہ کو جو اہمیت حاصل ہے اس سے ہر شخص بخوبی آشنا ہے، قرآن فہمی اور حدیث طلبی کا آغاز فقہ ہی سے ہوتا ہے اور یہی ان دونوں کا ثمرہ اور نتیجہ بھی ہے۔ اگر طالب علم علمِ فقہ میں کچا ہے تو وہ قرآن پاک اور احادیث شریفہ سمجھنے میں کبھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اگر احادیث اور قرآن کریم پڑھ لینے کے بعد علم فقہ تک اس کی رسائی نہ ہو تو یقین کرنا چاہیئے کہ اس نے سب کچھ پڑھ لینے کے بعد بھی کچھ نہیں پڑھا، وہ پوست ہی میں اٹک کر رہ گیا ہے مغز تک اس کی رسائی نہیں ہوئی۔

آج کل طلباء میں جو علمِ فقہ سے عام بے توجہی، بدمذاقی اور بے رغبتی نظر آتی ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اساتذہ شروع میں علم فقہ کی تعریف، موضوع، غرض وغایت، مقام و مرتبہ، ائمہ فن کے حالات اور معلوماتِ عامہ پر سیر حاصل گفتگو نہیں کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طالب علم میں علم فقہ سے لگاؤ اور دلچسپی پیدا نہیں ہوتی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس موضوع پر نہ تو عربی میں کوئی مستقل تصنیف ہے، نہ فارسی میں، نہ اردو میں، جس سے اساتذہ اور طلباء فائدہ اٹھا سکیں۔

اس لیے عرصہ سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ کوئی ایسی کتاب ہونی چاہیئے جس میں علم فقہ کے مبادیات اور عمومی معلومات درج ہوں۔ مجھے بڑی خوشی محسوس ہورہی ہے کہ مکرمی جناب مولانا مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی زید مجدہم نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور "مبادیاتِ فقہ" کے نام سے ایک کامیاب رسالہ مرتب فرمایا، جو مدارسِ عربیہ کے اساتذہ کے لیے اور علمِ فقہ کے طلباء کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس رسالہ میں انہیں علمِ فقہ کے اصول و

مبادیات پر سیر حاصل بحث ملے گی اور علم فقہ کے سلسلے میں عمومی معلومات سے بھی ضروری واقفیت حاصل ہوگی۔

واقعۃً یہ کام کسی مفتی ہی کے کرنے کا تھا کیونکہ فقہیات پر عتبی نظر اس کی وسیع ہوسکتی ہے کسی دوسرے کی نہیں ہوسکتی اور مفتی صاحب ماشاء اللہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (گجرات) کی مسند افتاء کا فخر ہیں۔

احقر دعاگو ہے کہ اللہ پاک جل شانہ مفتی صاحب موصوف کی یہ خدمت قبول فرمائیں اور انہیں مزید علمی خدمات کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری

دار العلوم دیوبند ۲۵ $\frac{۱۲}{۹۶}$ ھ

مقدّمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

امابعد۔ ہر فن شروع کرنے سے پہلے کچھ مبادیات اور مقدمات جاننا ضروری ہیں تاکہ فن میں بصیرتِ تامہ حاصل ہوسکے۔

مقدّمہ (بفتح الدال) اور مقدِّمہ (بکسر الدال) دونوں طریقوں سے بولا جاتا ہے۔ دستور العلماء (ص ۳۱۴ ج ۳) میں ہے ان المقدمۃ امابکسر الدال او بفتحھا۔

مقدمہ ماخوذ ہے مقدمۃ الجیش سے۔ گذشتہ زمانہ میں جب روبرو لڑائی ہوتی تھی تو لشکر کے پانچ حصے کیے جاتے تھے اور ان کو مقدّمہ، قلب، میمنہ، میسرہ، ساقہ کہا جاتا تھا، لشکر کا امیر یا امیر المؤمنین اگر شریکِ جنگ ہوتا تو وہ قلب میں رہتا تھا اور مقدمہ میں لشکر کے بہادر اور چیدہ حضرات ہوتے تھے جو آگے چل کر لشکر کے لیے تمام سہولتیں بہم پہنچاتے تھے اسی لیے جو معلومات کسی کتاب یا فن کو شروع کرنے سے پہلے بہم پہنچائی جاتی ہیں ان کو بھی مقدمہ کہتے ہیں تاکہ ان کے ذریعہ کتاب یا فن کو سمجھنے میں مدد ملے۔

اقسام مقدمہ :

اسی لیے مقدمہ کی دو قسمیں کی جاتی ہیں۔ مقدمۃ العلم اور مقدمۃ الکتاب۔ علامہ شامیؒ لفظ مقدمہ کی تحقیق کے بعد فرماتے ہیں :

وھی قسمان مقدمۃ العلم وھی ما یتوقف علیہ الشروع فی مسائلہ من المعانی المخصوصۃ ومقدمۃ الکتاب وھی طائفۃ من الکلام قدمت امام المقصود لارتباط لہ بھا وانتفاع بھا فیہ اھ (رد المختار ص$\frac{25}{1}$)

(یعنی) مقدمہ کی دو قسمیں ہیں (۱) مقدمۃ العلم ان مخصوص معانی کو کہتے ہیں جن کا جاننا علم کو شروع کرنے سے پہلے ضروری ہوتا ہے اور (۲) مقدمۃ الکتاب ان باتوں کو کہتے ہیں جن کو کتاب میں مقصود سے پہلے اس لیے بیان کیا جاتا ہے کہ مقصود کتاب کو ان باتوں سے خاص تعلق ہے اور ان کے ذریعہ کتاب سے نفع تام حاصل کر سکتے ہیں

مقدمۃ العلم :

یعنی وہ باتیں جن کا جاننا کسی علم کو شروع کرنے سے پہلے ضروری ہوتا ہے (ھی ما یتوقف علیہ الشروع فی مسائلہ) لیکن لولا لا متنع کے درجہ میں ضروری نہیں ہوتا بلکہ بصیرتِ تامہ حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے تاکہ یہ اعتراض نہ ہو کہ ہم نے مقدمات کے بغیر ہی علم حاصل کرلیا۔

علم :

علم کی تعریف مرقات اور شرح تہذیب میں اس طرح کی ہے ھو الصورۃ الحاصلۃ من الشیئ عند العقل اھ یعنی شیٔ معلوم کی وہ صورت جو عقل

انسانی میں حاصل ہوتی ہے، اس کو علم کہتے ہیں

اقسامِ علم :

علم کی دو قسمیں ہیں۔ علم شرعی اور علم غیر شرعی

علم شرعی کی چار قسمیں ہیں۔ علم کلام، علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ۔

علم غیر شرعی کی تین قسمیں ہیں (۱)، علم ادب (۲) علم ریاضی (۳) علم عقلی۔

علم ادب : بارہ علوم کے مجموعہ کا نام ہے جن کو علامہ شامیؒ نے شیخی زادہ کے حوالہ سے شمار کیا ہے جو یہ ہیں :- لغت، اشتقاق، تصریف، نحو، معانی، بیان بدیع، عروض، قوافی، قرض شعر، انشاء، نثر، کتابت، بعضوں نے چودہ شمار کیے ہیں یعنی قراءت اور محاضرات (تاریخ) کا اضافہ کیا ہے۔

علم ریاضی :- دس علوم کو شامل ہے تصوف، ہندسہ، ہیئت، علم تعلیمی، حساب جبر، موسیقی، سیاست، اخلاق، تدبیر منزل۔

علم عقلی :- منطق، جدل، اصول فقہ، اصول دین، علم الٰہی، علم طبعی، علم طب، میقات، فلسفہ اور کیمیا وغیرہ کا شمار اس میں ہے (کما فی رد المحتار ص ۲۵ ج ۱)

مقدمہ علم میں آٹھ چیزیں بیان کی جاتی ہیں اور یہی چیزیں مقدمہ کتاب میں بھی بیان کی جاتی ہیں تاکہ فن یا کتاب پر بصیرت تامہ حاصل ہو جائے وہ آٹھ چیزیں حسب ذیل ہیں :-

تعریف، موضوع، غرض و غایت، اسماء، مؤلف و واضع، استمداد، حکم، فضیلت۔ فن منطق کی اصطلاح میں ان کا نام رؤس ثمانیہ ہے، مرقات میں ہے ان القدماء کانوا یذکرون فی مبادی الکتاب اشیاءً ثمانیۃ ویسمونھا

دوسا ثمانیۃ اھ ۔ علامہ شامیؒ نے دس شمار کرائے ہیں وہ فرماتے ہیں:۔

اعلم ان مبادی کل علم عشر نظمھا ابن ذکری فی "تحصیل المقاصد" فقال

فاول الابواب فی المبادی　　وتلک عشرۃ علی المراد

الحد والموضوع ثم الواضع　　والاسم والاستمداد حکم الشارع

تصور المسائل، الفضیلۃ　　ونسبۃ فائدۃ جلیلۃ

فقہ کی لغوی تعریف:۔

لغت کے اعتبار سے فقہ کا استعمال بکسر القاف فَقِہَ اور بضم القاف فَقُہَ دونوں طرح ہوتا ہے۔ فَقِہَ (بکسر القاف)، باب سَمِعَ سے ہے جس کے معنی جاننا ہیں اور فَقُہَ (بضم القاف باب کرم سے ہے اس کے معنی فقیہ ہو جانا ہیں ۔

در مختار میں علامہ علاء الدین حصکفیؒ فرماتے ہیں فالفقہ لغۃ: العلم بالشیٔ ثم خص بالعلم الشرعیۃ وفقِہ بالکسر فقہا علم وفقُہ بالضم فقاھۃ صار فقیہًا اھ ۔ منحۃ الخالق علی البحر الرائق میں علامہ خیر الدین رملیؒ سے نقل کیا گیا ہے:

ویقال فقِہ بکسر القاف اذا فہم وبفتحھا اذا سبق غیرہ الی الفھم و بضمھا اذا صار الفقہ سجیۃ لہ (ص ۳/ج ۱) یعنی فقِہ بکسر القاف اس وقت پڑھتے ہیں جب کوئی بات سمجھ لے اور فقَہ بفتح القاف اس وقت استعمال کرتے ہیں جب کوئی شخص بات سمجھنے میں کسی دوسرے سے سبقت کر جائے اور فقُہ بضم القاف اس وقت استعمال کرتے ہیں جب فقہ اس کی طبیعت بن جائے

علامہ رشید رضا مصریؒ اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں ذکر ھذا اللفظ فی عشرین موضعا من القرآن تسعۃ عشر منھا تدل علی ان المراد

بہ نوع خاص من دقۃ الفھم والتعمق فی العلم الذی یترتب علیہ الانتفاع بہ اھ۔ یعنی قرآن پاک میں یہ مادہ بیس جگہ استعمال ہوا ہے جس میں سے انیس جگہ اس کا مدلول ایک مخصوص قسم کی دقت فہم اور علمی گہرائی ہے جس پر فائدہ مرتب ہو۔

فقہ کی اصطلاحی تعریف

اصطلاحِ شرع میں اس کی تعریف مختلف طریقوں سے کی گئی ہے جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ فقہ کا اطلاق پہلے عام تھا پھر یہ لفظ ایک مخصوص فن کے ساتھ خاص ہوگیا۔

فقہ کی پہلی تعریف صاحب مفتاح السعادۃ نے اس کی تعریف اس طرح کی ہے ھو علم باحث عن الاحکام الشرعیۃ الفرعیۃ العملیۃ من حیث استنباطھا من الادلۃ التفصیلیۃ اھ ص۶۳ ج۲۔ یعنی علم فقہ وہ علم ہے جو احکام شرعیہ فرعیہ سے اس حیثیت سے بحث کرے کہ اس کا استنباط تفصیلی دلائل سے کیا گیا ہے لیکن یہ تعریف اصُول فقہ کی تو موزوں ہے مگر فقہ کی موزوں نہیں ہے۔ نیز اس تعریف کے اعتبار سے صرف مجتہد پر فقیہ کا اطلاق ہوسکے گا حافظ للفروع کو فقیہ کہنا صحیح نہ ہوگا۔ البتہ مجازاً اس کو فقیہ کہہ سکیں گے۔

دوسری تعریف شیخ ابن ہمامؒ نے فقہ کی تعریف اس طرح کی ہے کہ ھو التصدیق بالاحکام الشرعیۃ القطعیۃ اھ تحریر ابن ہمام ص۳، اس تعریف میں ابن ہمامؒ نے لفظ تصدیق کا اضافہ کردیا ہے

علامہ ابن نجیم مصری رح نے اسی وجہ سے اس تعریف کو پہلی تعریف سے اچھا کہا ہے،
وہ فرماتے ہیں کہ فالاولیٰ ما فی التحریر من التصدیق الشامل
للعلم والظن اھ (ص ۳ ج ۱ بحر الرائق) ۔ اور ابن ہمام رح نے یہ تغیر اس لیے کیا
ہے کہ فقہ کو جو لوگ ظنی کہتے ہیں ان پر رد ہو جائے اس لیے کہ فقہ قطعی ہے۔
یہ ایک طویل بحث ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ فقہ کا ماخذ کتاب،
سنت اور اجماع ہے اس لیے قطعی الثبوت ہے لیکن چونکہ اس کا اکثر حصہ ظنی
الدلالۃ ہے اس وجہ سے اس میں قیاس کے لیے گنجائش ہے اور اسی بناء پر کسی مجتہد
کے مسلک کو بالکلیہ غلط نہیں کہہ سکتے اور کسی ایک مسلک پر عمل کرنا نہ صرف درست ہے بلکہ
ضروری ہے۔ درمختار میں لکھا ہے اذا سئلنا عن مذھبنا وعن مذھب
مخالفنا قلنا وجوبا مذھبنا صواب یحتمل الخطاء ومذھب مخالفنا
خطاء یحتمل الصواب واذا سئلنا عن معتقدنا ومعتقد خصومنا قلنا
وجوبا الحق ما نحن علیہ والباطل ما علیہ خصومنا اھ (ص ۳۳ ج ۱) یعنی اگر
کوئی ہم سے پوچھے کہ تمہارا (فقہی) مسلک ٹھیک ہے یا تمہارے مخالفین (شوافع،
مالکیہ اور حنابلہ وغیرہم) کا؟ تو ہم جواب دیں گے کہ ہمارا مسلک صحیح ہے مگر اس میں خطاء
کا احتمال ہے اور ہمارے مخالفین کا مسلک خطاء ہے مگر اس میں درستگی کا احتمال ہے
(لان المجتھد یخطی ویصیب) اور اگر ہمارے اعتقادات کے متعلق پوچھا
جائے کہ تم حق پر ہو یا تمہارے مخالفین (معتزلہ خوارج وغیرہ) کے اعتقادات حق
ہیں؟ تو ہم پورے یقین کے ساتھ کہیں گے کہ ہمارے اعتقادات حق ہیں اور
ہمارے مخالفین کے اعتقادات باطل ہیں (اس لیے کہ ان کا ثبوت نصوص قطعی

الدلالۃ سے ہونے کی وجہ سے اس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے۔

تیسری تعریف "ارشاد القاصدین" میں اس طرح تعریف کی ہے کہ تکالیفِ شرعیہ عملیہ کے جاننے کا نام علمِ فقہ ہے جیسے عبادات، معاملات، عادات وغیرہ۔

چوتھی تعریف امام سیوطیؒ نے "اتمام الدرایہ" اور "نقایہ" میں اس طرح تعریف کی ہے کہ علمِ فقہ ان احکامِ شرعیہ کا پہچاننا ہے جو اجتہاد سے نکالے گئے ہوں (مفید المفتی ص۵)

پانچویں تعریف امام اعظم ابوحنیفہؒ سے فقہ کی تعریف اس طرح نقل کی گئی ہے کہ: "معرفۃ النفس مالہا وما علیہا" (آدمی کا اپنے لیے مفید اور مضر چیزوں کو جان لینا) لیکن یہ تعریف دخولِ غیر سے مانع نہیں ہے۔ بحر الرائق ص ج۱ میں ہے کہ:

عرّفہ الامام الاعظم بانہ معرفۃ النفس مالہا وما علیہا لکنہ یتناول الاعتقادیات کوجوب الایمان والوجدانیات ای الاخلاق الباطنۃ والملکات النفسانیۃ والعملیات کالصلوٰۃ والصوم والبیع فمعرفۃ مالہا وما علیہا من الاعتقادیات علم

یعنی امام اعظم نے فقہ کی تعریف کی ہے "معرفۃ النفس مالہا وما علیہا" لیکن یہ تعریف اعتقادات جیسے کہ وجوب ایمان اور وجدانیات یعنی اخلاقِ باطنہ اور ملکات نفسانیہ اور عملیات جیسے کہ نماز روزہ اور خرید و فروخت وغیرہ کو شامل ہے، پس جو چیزیں آدمی کے لیے از قبیل اعتقادیات جاننا ضروری ہیں ان کا نام تو علمِ کلام ہے اور جو چیزیں از قبیل وجدانیات آدمی کے لیے جاننا ضروری ہیں ان کا نام علمِ اخلاق و علم

الکلام ومعرفة مالها وما علیها من الوجدانیات هی علم الاخلاق والتصوف کالزهد والصبر والرضا وحضور القلب فی الصلوة ونحو ذلك ومعرفة مالها وما علیها من العملیات هی الفقه المصطلح فان اردت بالفقه هذا المصطلح زدت عملا علی قوله مالها وما علیها وان اردت علم ما یشتمل علی الاقسام الثلاثة لم تزد وابو حنیفة انما لم یزد لانه اراد الشمول ای اطلق العلم سواء کان من الاعتقادیات او الوجدانیات او العملیات ومن ثم سمی الکلام فقها اکبر۔

تصوف ہے جیسے زہد، صبر، رضا، نماز میں حضور قلب وغیرہ، اور جو چیزیں آدمی کے لیے اعمال کے قبیل سے جاننا ضروری ہیں ان کا اصطلاحی نام علم فقہ ہے، پس اگر فقہ سے آپ کی مراد اصطلاحی علم فقہ ہے تو "مالہا وما علیہا" پر عملاً کی قید بڑھا دیجیے اور اگر ایسا علم مراد لینا چاہتے ہوں جو تینوں اقسام کو شامل ہو تو مذکورہ قید کے اضافہ کی ضرورت نہیں ہے۔
امام اعظمؒ نے اس قید کا اضافہ اس لیے نہیں فرمایا کہ انہوں نے سب کی شمولیت کا ارادہ فرمایا ہے یعنی انہوں نے مطلق علم مراد لیا ہے خواہ اعتقادات ہوں یا وجدانیات یا عملیات، اور اسی لیے آپ نے علم کلام کا نام فقہ اکبر رکھا ہے۔

چھٹی تعریف: صوفیاء کے نزدیک فقیہ کی تعریف جیسا حسن بصری سے منقول ہے یہ ہے:-

انما الفقیه الزاهد فی الدنیا الراغب فی الآخرة البصیر بدینه

یعنی فقیہ وہ ہے جو دنیا سے بے رغبت ہو، آخرت کی طرف رغبت کرنے والا ہو

المداوم على عبادة ربه، الورع الكاف نفسه عن اعراض المسلمين، العفيف عن اموالهم، الناصح لجماعتهم (احیاء العلوم ص۲۹ ج۱)

دین سے باخبر ہو، پروردگار کی عبادت پابندی سے کرتا ہو، پرہیزگار ہو، مسلمانوں کی آبرو ریزی سے بچتا ہو، ان کے مالوں سے کنارہ کش ہو اور ان کا خیر خواہ ہو۔

ساتویں تعریف

امام غزالیؒ نے فقہ کی تعریف یہ کی ہے کہ:۔

معرفة الفروع والوقوف على دقائق عللها (مختصراً احیاء العلوم ص۲۸ ج۱)

یعنی فروعات کو جاننا اور ان کی دقیق علتوں سے واقف ہونا۔

موضوع :۔

کسی علم میں جس چیز کے عوارض ذاتیہ سے بحث کی جائے اس کو موضوع کہتے ہیں (ما یبحث فیہ عن عوارضہ الذاتیۃ) اور اس کو جاننے کی ضرورت اس لیے ہے کہ بحث میں خلط نہ ہو جائے۔

فقہ کا موضوع مکلّف کا فعل ہے ثبوتاً وسلباً یعنی عاقل بالغ کا فعل باعتبار ثبوت وسلب کے، یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ فقہ کا موضوع جب مکلف کا فعل ٹھہرا تو غیر مکلف کا فعل موضوع نہیں ہوگا حالانکہ فقہ میں نابالغ بچہ کے احکام سے بھی بحث ہوتی ہے۔ مثلاً دس سال کی عمر میں نماز کا لازم ہونا، بچہ کوئی جنایت کرے تو ضمان کا حکم وغیرہ۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ بچے کو جو نماز کا حکم دیا جاتا ہے وہ عادت ڈالنے کے لیے دیا جاتا ہے تاکہ وہ بالغ ہو کر نماز ترک نہ کرے اس کو نماز کا حکم اس وجہ سے نہیں دیا جاتا کہ وہ مکلف ہے اور جنایت کا تاوان لڑکے پر نہیں ہے بلکہ لڑکے کے ولی پر ہے جیسے کوئی جانور کسی کا کچھ نقصان کرے تو اس کا تاوان مالک سے وصول کیا جاتا ہے۔ غرض غیر مکلف کا فعل علم فقہ کا موضوع نہیں ہے کما فی رد المحتار ج۱ ص۲۸

غرض و غایت :-

جس مقصد کے پیش نظر کوئی کام کیا جائے تو اس کو غرض کہتے ہیں، اور اس مقصد کے حصول کو غایت کہتے ہیں۔ " دستور العلماء جلد ثالث میں ہے :-

اعلم ان ما یترتب علیہ فعل ان کان تصورہ باعثا للفاعل علی صدورہ عنہ یسمی غرضا وعلۃ اھ	یعنی جاننا چاہیے کہ وہ چیز جس پر کوئی فعل مرتب ہو اگر اس چیز کا تصور فعل پر فاعل کے اقدام کا سبب ہو تو اس کو غرض وعلت کہتے ہیں۔

مثلاً جامع مسجد پہنچنے کے ارادہ سے کوئی چلے تو یہ جامع مسجد پہنچنا غرض ہے اور جامع مسجد پہنچ جانا غایت ہے۔ اسی تھوڑے سے فرق کی وجہ سے مناطقہ کے یہاں غرض اور غایت دو مستقل چیزیں ہیں، مگر حقیقت اور مصداق کے اعتبار سے دونوں ایک ہیں۔

فقہ کی غرض و غایت " الفوز بسعادۃ الدارین " یعنی دونوں جہاں کی سعادت سے کامیاب ہونا ہے یعنی خود بھی دنیا میں جہالت کی اندھیریوں سے نکل کر علم کی روشنی میں پہنچنا، ترقی کرنا، خود بھی حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پہچاننا اور عمل کرنا

اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دے کر آخرت میں اعلیٰ درجات حاصل کرنا۔ کما فی رد المحتار ص ۲۷ ج ۱ -

استمداد :-

یعنی علم فقہ کا ماخذ کیا ہے؟ اس میں کس سے مدد لی گئی ہے؟ تو جاننا چاہیے کہ جو چیزیں اصولِ فقہ کی ماخذ ہیں یعنی کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اجماع اور قیاس۔ وہی چیزیں فقہ کی ماخذ ہیں۔

اگر کسی کو یہ اشکال ہو کہ فقہ کے اس کے علاوہ بھی چند ماخذ ہیں مثلاً شرائع ما قبلنا سے بھی فقہ میں استمداد ہوتا ہے اور تعاملِ ناس، اقوالِ صحابہ رض اور تحری سے بھی مسائل کا ثبوت ہوتا ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ کتاب اللہ میں شامل ہیں یا حدیث پاک میں، اور اقوالِ صحابہ رض حدیث میں داخل ہیں اور تعاملِ ناس اجماع میں داخل ہے اور تحری و استصحاب حال قیاس میں داخل ہے کما فی البحر الرائق ص ۶ ج ۱ واما استمداده فمن الاصول الاربعة الکتاب والسنة والاجماع والقیاس المستنبط من هذه الثلثة واما شرع من قبلنا فتابعة للکتاب واما اقوال الصحابة فتابعة للسنة واما تعامل الناس فتابع للاجماع واما التحری و استصحاب الحال فتابعان للقیاس اھ -

حکم :-

دین پر عمل کرنے کے لیے جن مسائل کا جاننا ضروری ہے ان کا سیکھنا اور حاصل کرنا فرضِ عین ہے مثلاً بالغ ہوتے ہی طہارت اور نماز کو صحیح پڑھنے کے

کے مسائل اسی طرح مالدار ہوتے ہی زکوٰۃ و حج کے ضروری مسائل سیکھنا فرضِ عین ہے اور باقی فقہ کے جزئیات اور فروعات کا جاننا اور اس میں مہارت حاصل کرنا فرضِ کفایہ ہے۔ علامہ شامی رح نے نقل کیا ہے کہ اگر کسی شخص نے بقدرِ ضرورت قرآن مجید حفظ کیا اور وقت ملا تو اس کو مسائلِ فقہ سیکھنا افضل ہے، کیونکہ حفاظ بہ نسبت فقیہ کے زیادہ ملتے ہیں اور عبادت و معاملات میں مسائل کی ضرورت زیادہ رہتی ہے تعلم باقی الفقہ افضل من تعلم باقی القرآن لکثرۃ حاجۃ العامۃ الیہ فی عباداتھم و معاملاتھم وقلۃ الفقہاء بالنسبۃ الی الحفظۃ اھ

(شامی ص ۱۰ ج ۱)

فضیلت:-

قرآن پاک میں خداوند قدوس کا ارشاد ہے:- ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرًا بہت سے مفسرین نے حکمت سے مراد فقہ لیا ہے پس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جس کو علمِ فقہ دیا گیا اس کو خیر کثیر دی گئی، نیز مشکوٰۃ شریف میں ہے۔

من معاویۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین ص ۳۲۔

یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو فقہ فی الدین عطا فرماتے ہیں۔

یعنی دین کی ٹھیک سمجھ عطا فرماتے ہیں چاہے تو وہ ظاہر شریعت سے متعلق ہو یا طریقت سے متعلق ہو۔

عن ابن عباس فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف

یعنی ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہوتا ہے۔

عابد (مشکوٰۃ صفحہ ۳۴)

اس کی وجہ یہ ہے کہ عابد کو خود اپنے زہد و ورع اور عبادت سے فائدہ پہنچا مگر دوسرے لوگوں کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، اور فقیہ حلال و حرام اور دیگر مسائل کی تعلیم دے کر لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے اس لیے شیطان پر ایک فقیہ ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہوتا ہے، نیز عابد کو تو شیطان اکثر گمراہ بھی کر دیتا ہے مگر فقیہ مسائل جاننے کی وجہ سے اکثر اوقات گمراہی سے بچ جاتا ہے جیسا کہ اخبار الاخیار اردو صہ ۳۳ پہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ منقول ہے کہ شیخ ضیاء الدین ابوالنصر موسیٰ رح کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد ماجد حضرت غوث الاعظم رح کی زبانی خود سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے ایک سفر کے دوران میں اس جنگل میں پہنچا جہاں پانی نہ تھا میں نے کئی دن وہاں قیام کیا لیکن پانی نہ ملا مجھے پیاس کی شدت ہوئی تو اللہ نے بادل کا ٹکڑا بھیجا جس نے میرے اوپر سایہ کر لیا پھر اس میں سے چند بوندیں ٹپکیں جنہیں پی کر تسکین ہوئی اس کے بعد ایک روشنی پیدا ہوئی جس نے پورے آسمان کو گھیر لیا، پھر اس میں سے ایک عجیب صورت نظر آئی اور اس نے کہا :۔

" اے عبدالقادر میں تیرا پروردگار ہوں جو کچھ میں نے دوسروں پہ حرام کیا ہے وہ تیرے لیے حلال کرتا ہوں تو جو چاہے مانگ اور جو چاہے کر"

یہ سن کر میں نے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھ کر کہا، بھاگ جا ملعون کیا بک رہا ہے ؟ اس کے بعد فوراً ہی وہ روشنی اندھیرے میں بدل گئی اور وہ صورت دھواں بن کر کہنے لگی اے عبدالقادر تم پہ درگار لے احکام جاننے

کی وجہ سے اور حالات ومنازل کی واقفیت کے سبب مجھ سے بچ گئے، میں نے اس ترکیب کے ذریعہ تمام اہل طریقت کو راستہ سے ایسا بھٹکایا کہ وہ کہیں کے نہ رہے۔ بتایئے یہ کونسا علم وہدایت ہے جو اللہ نے آپ کو عنایت کیا ہے؟ میں نے جواب دیا اللہ کا فضل وکرم ہے اور وہی ابتداء وانتہاء میں رہبری کرتا ہے'' اھ۔

ایک اور حدیث میں ہے

عن ابی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خصلتان لا یجتمعان فی منافق حسن سمت ولا فقہ فی الدین رواہ الترمذی۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خصلتیں ایسی ہیں جو منافق میں جمع نہیں ہوسکتیں ایک تو خوش اخلاقی، دوسری فقہ فی الدین۔

الحاصل تفقہ بہت ہی قابل قدر اور قیمتی چیز ہے، نیز بخاری شریف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ:۔

تفقهوا قبل ان تسودوا۔ یعنی سردار ہونے سے پہلے فقہ سیکھو۔

ایک حدیث ہے

مجلس فقہ خیر من عبادۃ ستین سنۃ۔ یعنی فقہ کی مجلس میں شرکت ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے۔

تنبیہ:۔

قرآن پاک یا حدیث پاک میں جہاں فقہ کی فضیلت آئی ہے وہاں ایک بات ملحوظ رکھنی چاہیئے وہ یہ کہ زمانۂ نبوت میں جہاں فقہ کا اطلاق ہوتا تھا وہاں اس سے

مراد موجودہ فقہ اصطلاحی نہیں ہوتا تھا بلکہ اس کا اطلاق عمومی تھا۔ ظاہر شریعت طریقت، ومعرفت وغیرہ سب کو شامل ہوتا تھا۔ امام اعظمؒ سے اس لیے فقہ کی تعریف "معرفۃ النفس مالہا وما علیہا" نقل کی گئی ہے امام غزالیؒ احیاء العلوم میں رقمطراز ہیں :-

لفظ الفقہ قد تصرفوا فیہ بالتخصیص لا بالنقل والتحویل اذ خصصوہ بمعرفۃ الفروع الغریبۃ فی الفتاوی والوقوف علی دقائق عللها واستکثار الکلام فیها وحفظ المقالات المتعلقۃ بها فمن کان اشد تعمقا فیها واکثر اشتغالا بها یقال الافقہ ولقد کان اسم الفقہ فی العصر الاول مطلقا علی علم طریق الآخرۃ و معرفۃ دقائق آفات النفوس ومفسدات الاعمال وقوۃ الاحاطۃ بحقارۃ الدنیا وشدۃ التطلع الی نعم الآخرۃ واستیلاء الخوف علی القلب ویدلک علیہ

یعنی لفظ فقہ میں نقل وتحویل کے ذریعے نہیں بلکہ تخصیص کے ذریعے تصرف کیا گیا ہے اس لیے کہ فتاوی کی نادر فروعات کے جاننے اور اس کی دقیق علل سے واقفیت حاصل کرنے اور اس میں بکثرت کلام کرنے اور اس سے متعلق اقوال کو حفظ کرنے کے ساتھ اس کو مخصوص کر دیا پس جو شخص اس میں زیادہ ماہر اور زیادہ مشغول ہو اس کو "افقہ" کا خطاب دے دیا حالانکہ لفظ فقہ عصر اول میں راہ آخرت اور آفات نفوس کے دقائق جاننے اور آخرت کی نعمتوں کو خوب دیکھنے اور قلب پر خوف کو غالب کرنے پر بولا جاتا تھا، اس پر دلیل آیت قرآنی ،

قولہ عزوجل "لیتفقہوا فی الدین ولینذروا قومہم اذا رجعوا الیہم" ومایحمل بہم الانذار وھو ھذا الفقہ دون تفریعات الطلاق والعتاق واللعان والسلم والاجارۃ اھ ص۲۰۔

"لیتفقہوا فی الدین ولینذروا قومہم اذا رجعوا الیہم" ہے کہ جو فقہ انذار وتخویف کا ذریعہ بنتا ہے وہ یہی فقہ ہے نہ کہ طلاق وعتاق ولعان وسلم واجارہ کے فروعی مسائل" اھ۔

امام غزالیؒ آگے فرماتے ہیں کہ صرف انہی فروعات میں الجھ کر رہ جانا اپنے دل کو سخت اور خشیت کو رخصت کر دینا ہے۔ ملا علی قاریؒ نے "مرقات شرح مشکوٰۃ" میں بھی اس طرف اشارہ فرمایا ہے وہ تحریر فرماتے ہیں۔ قولہ لیفقہ فی الدین ای احکام الشریعۃ والطریقۃ والحقیقۃ ولا یختص بالفقہ المصطلح المختص بالاحکام الشرعیۃ العملیۃ کما ظن اھ ص۲۱۹۔

اس لیے قرآن وحدیث میں جہاں اس کی فضیلت آئی ہے اس کو عام سمجھنا چاہیے اور اپنے اندر دونوں (علم ظاہر شریعت یعنی فقہ اصطلاحی اور علم باطن یعنی تصوف وسلوک) کو جمع کرنے کی صورتیں پیدا کرنی چاہئیں۔ باقی لفظ فقہ کی تعمیم سے علم حفظ فروع خارج نہیں ہے، کیونکہ جو فضائل علم فقہ بالمعنی الاعم کے ہیں وہی فضائل علم فقہ بالمعنی الاخص کو بھی شامل ہیں۔

اب موجودہ اصطلاحی علم فقہ کی فضیلت کے سلسلہ میں علمائے ربانی کیا فرماتے ہیں اسے بھی ملاحظہ فرمائیے۔ درمختار میں خلاصہ سے نقل کیا ہے کہ:۔

النظر فی کتب اصحابنا من غیر ــــ یعنی ہمارے اصحاب (حنفیہ) کی کتابوں

سماع افضل من قیام اللیل. صـ ۲۷

کا مطالعہ کرنا بغیر (کسی استاذ سے) سننے کے رات کو نوافل پڑھنے سے افضل ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تہجد پڑھنا نفل ہے اور فقہ حاصل کرنا اگر بقدر ضرورت ہو تو فرضِ عین ہے اور فقہ میں مہارت حاصل کرنا ہو تو فرضِ کفایہ ہے اور نوافل میں مشغول ہونے سے فرض میں مشغول ہونا بلاشبہ افضل ہے۔ اسی وجہ سے علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ جو شخص دن کو مطالعہ کرتا ہے اور رات کو تہجد پڑھتا ہے اس کے لیے دن اور رات دونوں میں افضل علم حاصل کرنا ہے۔

قال اسماعیل بن ابی رجاء رأیت محمدًا فی المنام فقلت ما فضل الله بک فقال غفرلی ثم قال لو اردت ان اعذبک ما جعلت هذا العلم فیک فقلت له این ابویوسف قال فوقنا بدرجتین قلت فابوحنیفۃ قال هیهات ذاک فی اعلیٰ علیین اھ صـ ۳۵

حضرت امام محمدؒ کے انتقال کے بعد اسماعیل بن ابی رجاء نے ان کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرمادی پھر ارشاد فرمایا کہ اگر میرا ارادہ تجھے عذاب دینے کا ہوتا تو یہ علم (فقہ) تیرے سینے میں نہ رکھتا (فقہ کی فضیلت کے لیے یہی کافی ہے کہ آدمی اس کی برکت سے جہنم سے بچ جائے یہی سب سے بڑی کامیابی اور سعادت ہے) پھر اسماعیل بن ابی رجاء نے پوچھا کہ امام ابویوسف کہاں ہیں؟ امام محمدؒ نے جواب دیا کہ ہم سے دو درجہ اوپر ہیں۔ پھر انہوں نے پوچھا

کہ امام ابو حنیفہ رح کہاں ہیں ؟ تو آپ نے فرمایا کہ ارے ان کا کیا پوچھنا ! وہ تو اعلیٰ علیین میں ہیں ۔

علم فقہ کی فضیلت میں امام محمد رح کا یہ قول بھی قابل توجہ ہے، آپ فرماتے ہیں کہ لا ینبغی للرجل ان یعرف بالشعر والنحو لأن اخرامرہ الی المسئلۃ وتعلیم الصبیان ولا بالحساب لأن اخرامرہ الی مساحۃ الارضین ولا بالتفسیر لان اخر امرہ الی التذکیر والقصص بل یکون علمہ فی الحلال والحرام ومالا بد منہ من الاحکام کما قیل :۔

اذا ما اعتز ذو علم بعلم ۔ فعلم الفقہ اولی باعتزاز
فکم طیب یفوح ولا کمسک ۔ وکم طیر یطیر ولا کباز

(در مختار علی ھامش الشامی ص ۲۸ ج ۱)

یعنی آدمی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ شعر گوئی اور نحو میں مہارت حاصل کرے کیونکہ شاعر انجام کار (لوگوں کی مدح سرائی یا برائی کرکے) بھیک مانگے گا اور نحو کا ماہر انجام کار تعلیم صبیان میں مشغول ہوگا، اور چاہیئے کہ حساب دان بھی نہ بنے کیونکہ وہ انجام کار زمین کی پیمائش کرتا پھرے گا اور چاہیئے کہ ماہر تفسیر بھی نہ ہو اس لیے کہ وہ انجام کار قصہ گوئی اور وعظ گوئی میں مصروف رہے گا بلکہ اس کو چاہیئے کہ علم فقہ میں مہارت حاصل کرے (اس لیے کہ لوگ کبھی اس سے مستغنی نہیں ہو سکتے)، جیسا کہ کسی نے خوب کہا کہ :

"جب ذی علم اپنے علم سے اعزاز حاصل کرتا ہے تو علم فقہ اس کے لیے زیادہ بہتر ہے اس لیے کہ بہت سی خوشبوئیں مہکتی ہیں لیکن مشک

کی طرح نہیں ہو سکتیں اور بے شمار پرندے اڑتے ہیں مگر باز کو نہیں پہنچ سکتے "۔

نیز علم حدیث و علم تفسیر کے جو فضائل ہیں وہ بھی فقہ پڑھنے والے کو حاصل ہو جاتے ہیں؛ اس لیے کہ فقہ درحقیقت درایتِ حدیث کا نام ہے، فقہ کوئی الگ چیز نہیں ہے بلکہ قرآن و حدیث ہی کا عطر ہے اس کی مثال ایسی سمجھیے جیسے دودھ مکھن اور گھی۔ حدیث کو دودھ سمجھیے اس سے مکھن اور گھی بنتا ہے اسی طرح اصل قرآن و حدیث ہے اور فقہ اس کا گھی ہے جس کے بغیر انسان اپنی زندگی نہیں گزار سکتا، در مختار میں ہے کہ

ان الفقہ ھو ثمرۃ الحدیث و لیس ثواب الفقیہ اقل من ثواب المحدث اھ۔

یعنی فقہ حدیث کا خلاصہ ہے اور فقیہ کا اجر محدث سے کم نہیں ہے۔

اسماء:۔

یعنی اس فن کو دوسرے کن کن ناموں سے یاد کیا جاتا ہے تو چونکہ اس میں حلال و حرام، مکروہ و ناجائز وغیرہ احکام ہیں اس لیے اس کو علم الحلال والحرام بھی کہا جاتا ہے، نیز اس کو علم فقہ، علم فتاوی، علم الاحکام اور علم آخرت بھی کہتے ہیں۔

واضع:۔

سراج الامت، امام الائمہ، امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس فن کے واضع ہیں چنانچہ امام شافعیؒ کا قول ہے:

الناس عیال ابی حنیفۃ فی الفقہ

لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہؒ کی اولاد ہیں۔

لیکن ترتیبِ فقہ کا سلسلہ اس طرح ہے۔

الفقہ زرعہ ابن مسعودؓ و سقاہ علقمہ وحصدہ ابراہیم النخعی و داسہ حماد وطحنہ ابو حنیفہ رعجنہ ابو یوسف و خبزہ محمد فسائر الناس یاکلون من خبزہ اھ۔ (در مختار ص ۳۴ ج ۱)

یعنی علم فقہ کی تخم ریزی حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ نے کی، اس کی آبیاری حضرت علقمہؒ نے کی، ابراہیم نخعیؒ نے اس کو کاٹا اور حمادؒ نے گاہا، اور اور امام ابو حنیفہؒ نے اس کو پیسا، اور امام ابو یوسفؒ نے اس کو گوندھا اور امام محمدؒ نے اس کی روٹیاں پکائیں اب تمام لوگ ان کی پکائی ہوئی روٹیاں کھا رہے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

علامہ ابن قیمؒ نے "اعلام الموقعین" میں افتاء کے سلسلے میں ایک فصل قائم کی ہے جس میں بتلایا ہے کہ صحابہ میں مسندِ افتاء پر کون کون حضرات فائز رہے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ چھ صحابہؓ ایسے تھے کہ جن میں تمام صحابہ کا تفقہ جمع تھا، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، ان میں آپس فہم وعقل درروایت کے اعتبار سے فرق تھا، حضرت عمرؓ امور خلافت میں مشغول ومنہمک ہونے کی وجہ سے نشر علم کی طرف متوجہ نہ ہوسکے اس لیے ان کا علم محفوظ

نہ ہو سکا، حضرت علی رضؓ کا علم محفوظ تو ہو گیا مگر روافض نے اس میں خلط کر دیا اس لیے تمام تر قابل اعتماد نہ رہا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضؓ اپنی فطری صلاحیت ذکاوت اور گوناگوں مناقب کی وجہ سے اور علم کی طرف پوری طرح متوجہ ہونے کی وجہ سے ایک خاص مقام کے مالک ہو گئے۔

اشاعت (ظہور اسلام سے قبل ۲۷ حضرات کا نام عبد اللہ تھا اور سب کے سب شرف بہ اسلام ہو کر صحبت نبوی کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے جن میں سے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن زبیر، عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کو خصوصی شہرت حاصل ہوئی۔ (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ)

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ چھٹے نمبر پر اسلام لائے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کثرت سے آمد و رفت رکھتے تھے کہ حضرت ابوذر غفاری جیسے صحابی ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سمجھنے لگے تھے، آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خدام میں شمار ہوتے تھے۔ صاحب وسادہ، صاحب مسواک، صاحب نعلین وغیرہ آپ کا لقب ہو گیا تھا، آپ نے حبشہ کی ہجرت بھی کی، اور غزوۂ بدر میں شرکت کی سعادت بھی حاصل ہوئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیرت و صورت میں مشابہ تھے، حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ ایک "جھولا" ہے جو علم سے بھر دیا گیا ہے۔ نیز فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جس پر ابن مسعودؓ راضی ہیں اس پہ میں راضی ہوں۔

حضرت عمرؓ نے اشاعت علم کے سلسلہ میں آپ کو کوفہ روانہ کیا اور وہاں دالاولا

کو لکھا کہ ابن مسعودؓ کے علم کا میں زیادہ محتاج تھا مگر میں تم کو ترجیح دے کر تمہارے پاس ان کو روانہ کرتا ہوں، وہ اپنے ساتھ ڈیڑھ ہزار شاگردوں کو لے کر کوفہ تشریف لے گئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کا قاضی بھی بنا دیا، حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں مدینہ تشریف لائے اور ۳۲ھ میں ساٹھ سال کی عمر میں اس دارِ فانی سے دارِ آخرت کی طرف رحلت فرمائی اور جنۃ البقیع میں دفن ہوئے۔

عن مسروق انہ قال انتھیٰ علم الصحابۃ الی ستۃ عمر وعلی وابی وزید وابی الدرداء وابن مسعود ثم علم الستۃ الی علی و عبد اللہ بن مسعود۔

مسروق کا قول ہے کہ صحابہؓ کا علم چھ آدمیوں میں سمٹ آیا یعنی عمرؓ اور علیؓ اور ابی بن کعبؓ اور زید بن ثابتؓ اور ابو درداءؓ اور ابن مسعودؓ پھر ان چھ کا علم حضرت علیؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ میں سمٹ آیا (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں میں دو شاگرد بلند پایہ تھے ایک اسودؒ اور دوسرے علقمہؒ، اسودؒ کے متعلق لکھا ہے کہ اَشْبَہُ یعنی عبد اللہ بن مسعودؓ کے ساتھ کامل مشابہ تھے ۷۴ھ میں وفات ہوئی، اور علقمہ بن قیس بن عبد اللہ بن مالک نخعی بڑے جلیل القدر فقیہ تھا اسود بن یزید کے چچا اور ابراہیم نخعی کے ماموں تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں پیدا ہوئے، قرآن و علم ابن مسعودؓ، علیؓ، عمرؓ، ابو درداءؓ، اور عائشہؓ سے حاصل کیا۔
علقمہ کے شاگردوں میں ابراہیم بن یزید بن قیس بن اسود نخعی ہیں ۹۵ھ یا

۹۶ھ میں وفات پائی۔

ابراہیم نخعیؒ کے شاگردوں میں حماد بن مسلم کوفیؒ ہیں آپ امام ابوحنیفہؒ کے استاذ ہیں آپ کی وفات ۱۲۰ھ میں ہوئی ہے۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جب بھی میں نے نماز پڑھی اور اپنے والدین کے لیے دعا مانگی تو ساتھ ہی میں نے حمادؒ کو ضرور یاد کیا۔

سراج الامت، امام الائمہ، امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ

امام صاحبؒ کے متعلق مؤرخین کا اختلاف ہے کہ آپ عربی النسل یا عجمی نژاد ہیں، جو لوگ آپ کو عربی النسل قرار دیتے ہیں وہ آپ کا سلسلہ نسب اس طرح بیان کرتے ہیں، نعمان بن ثابت بن زوطی بن یحیی بن زید بن اسد بن راشد الانصاری لیکن صحیح قول یہ ہے کہ آپ عجمی نژاد اور فارسی النسل ہیں اور سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ نعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ۔ امام صاحبؒ کے پوتے سلسلۂ نسب اس طرح بیان کرتے ہیں۔ نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان۔ ان دونوں قولوں کو جمع کرنا آسان ہے وہ اس طرح کہ زوطی زمانۂ جاہلیت کا نام ہے اور نعمان اسلام لانے کے بعد کا نام ہے اسی طرح ماہ اور مرزبان دونوں کے معنی سردار کے ہیں۔

امام صاحبؒ کے والد ثابت کی ولادت جب کوفہ میں ہوئی تو ان کو ان کے والد زوطی حضرت علیؓ کی خدمت میں لے گئے اور برکت کی دعا چاہی، آپؓ نے ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے برکت کی دعا کی، اللہ جل شانہٗ نے دعا کو قبول فرمایا اور اس دعا کی برکت سے ثابت کی ذریت میں امام صاحبؒ کی پیدائش ہوئی۔

عبد الملک بن مروان کے دورِ خلافت میں کوفہ میں ۸۰ھ میں امام صاحب کی پیدائش ہوئی، آپ کا اسم گرامی نعمان رکھا گیا۔ آپ کے سن پیدائش کے متعلق ایک قول ۶۱ھ کا بھی ہے۔ لیکن پہلا ہی قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ آپ کی وفات بغداد میں ۱۵۰ھ میں ہوئی (مقدمۂ اوجز المسالک)

امام صاحب بچپن ہی سے ذہین، فہیم اور سلیم الطبع تھے، شروع میں آپ نے تجارت شروع کی، پھر اس کو چھوڑ کر طلبِ علم کی طرف متوجہ ہوئے، اس زمانہ میں چونکہ علمِ کلام کا بہت چرچا تھا اس لیے آپ نے علمِ کلام میں مہارت حاصل کی۔ اور فقہ اکبر نامی کتاب تصنیف فرمائی۔ اس کے بعد فقہ کی طرف متوجہ ہوئے تقریباً دس سال حضرت حمادؒ کے درس میں شریک رہے، اس وقت حضرت حمادؒ کا فقہ کا درس بہت مشہور تھا، حضرت حمادؒ کے علاوہ آپ کے دوسرے اساتذہ تقریباً چار ہزار ہیں۔ مفتاح السعادہ میں لکھا ہے کہ عدد مشائخ الشافعی فبلغ ثمانین و عدد مشائخ الامام فبلغ اربعۃ الاف۔ ام ص ۱/۲ج۔ حدیث، تفسیر، ناسخ، منسوخ وغیرہ علوم میں آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی اس وجہ سے آپ کا شمار مجتہد مطلق کے درجہ میں ہونے لگا۔

امام صاحب کی ذہانت و فطانت

امام صاحبؒ کی طفولیت میں ایک دہریہ آیا اور اس نے مناظرہ کا چیلنج دیا۔ وہ کئی علماء کو شکست دے چکا تھا، حضرت حمادؒ بھی اس کے چیلنج سے متفکر تھے انہوں نے ایک خواب دیکھا کہ ایک خنزیر نے درخت کی شاخوں کو کھالیا لیکن اس

کی جڑ اور تنہ باقی تھا اس تنہ میں سے ایک شیر نمودار ہوا اور اس نے اس خنزیر کو ہلاک کر دیا۔ صبح کو حضرت حمادؒ کے پاس امام صاحبؒ گئے تو آپ کو مغموم و متفکر پایا۔ پوچھنے پر آپ نے دہریہ کا چیلنج اور خواب کا واقعہ سنایا، امام صاحبؒ نے سن کر کہا الحمدللہ وہ خنزیر تو دہریہ تھا، اور درخت سے مراد علم ہے اور شاخیں آپ کے علاوہ دوسرے علماء ہیں اور تنہ اور جڑ آپ ہیں اور شیر میں ہوں، انشاءاللہ میں اس کو مات دے دوں گا، حضرت حمادؒ اپنے مایۂ ناز شاگرد کو لے کر مجلس مناظرہ (جو جامع مسجد میں تھی) میں پہنچے، دہریہ نے ممبر پر چڑھ کر اپنے اعتراضات بیان کرنے شروع کیے، مقابل میں جب امام صاحبؒ کی کم عمری کو دیکھا تو آپ کی تحقیر و تذلیل شروع کی، امام صاحبؒ نے کہا کہ اس کو چھوڑ اور اپنا دعویٰ بیان کر، امام صاحبؒ کی اس جرأت پر دہریہ متعجب ہوا، اور اپنا سوال پیش کیا۔

کیف یمکن ان یوجد شیئ لا اول لہ و لا اٰخر لہ۔ — یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی موجود شئے کا نہ اول ہو نہ آخر۔

اس کا اشارہ حق جل وعلا کی صفت ازلیت و ابدیت کی طرف تھا، اس کے جواب میں امام صاحبؒ نے فرمایا تجھے گنتی آتی ہے؟ اس نے کہا ہاں! امام صاحبؒ نے پوچھا: کہ ایک سے پہلے کیا عدد ہے؟ اس نے جواب دیا ھو الاول لیس قبلہ شیئ۔ وہ اول ہے اس سے پہلے کوئی عدد نہیں ہے۔ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ جب واحد مجازی سے پہلے کچھ بھی نہ ہو ایسا ہو سکتا ہے تو واحد حقیقی سے پہلے کچھ بھی نہ ہو ایسا کیوں نہیں ہو سکتا؟

دہریہ کا دوسرا سوال تھا کہ ہر چیز کسی نہ کسی جہت میں ہے تو پھر اللہ کا چہرہ اور

کس جہت میں ہے ؟

امام صاحبؒ نے فرمایا کہ تم نے کبھی چراغ تو جلایا ہو گا بتلایئے روشنی کا رخ کدھر ہوتا ہے اس نے کہا کہ اس کے نور کے لیے تو سب جہتیں برابر ہیں ۔ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ نور مجازی کے لیے جب سب جہتیں برابر ہیں تو نورِ حقیقی کے لیے کیوں برابر نہ ہوں گی ؟ اب دہریہ کا تیسرا سوال تھا کہ :

ہر موجود شے کے لیے کوئی نہ کوئی جگہ ہوتی ہے بتایئے اللہ پاک کون سی جگہ ہیں ؟

امام صاحبؒ نے دودھ منگوایا اور پوچھا بتایئے اس میں گھی کہاں ہے ؟ حالانکہ گھی اسی سے بنتا ہے اس نے کہا گھی اس میں کسی مخصوص جگہ میں نہیں ہے بلکہ ہر قطرہ میں ہے ۔ اس پر امام صاحبؒ نے فرمایا کہ جب معدوم ہونے والی چیز ہر قطرہ میں ہو سکتی ہے تو وہ خالق الارض والسماء ہر جگہ کیوں نہ ہو گا ؟ اب دہریہ کا آخری سوال تھا :

اللہ پاک کیا کرتے ہیں ؟

اس کے جواب میں امام صاحبؒ نے فرمایا کہ تم نے ممبر پر رہ کر بہت سے سوال کیے اور میں نیچے کھڑے ہو کر جواب دیتا رہا اب آپ ذرا نیچے اتریئے اور مجھے ممبر پر چڑھنے دیجیے تاکہ میں جواب دوں، وہ اترا اور امام صاحبؒ ممبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا :

اللہ جل شانہٗ تیرے جیسے رذیل کو ذلیل کرتا ہے اور میرے جیسے موحد کے درجات کو بلند کرتا ہے ۔ کل یوم ھو فی شان اھ (مفتاح السعادہ ص ۷۷/۱۷)

امام صاحبؒ کے متعلق خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی ہے واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم والی آیت پڑھ کر حضرت سلمان فارسیؓ کی پشت پر ہاتھ مارا اور فرمایا ان میں سے وہ ہوگا یعنی فارسی النسل آدمی۔ حدیث میں فرمایا کہ میری امت میں ایک آدمی ہوگا جو سراج امت ہوگا، اگر علم ثریا پر ہوگا تو اسے بھی حاصل کرے گا۔ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں ھذا اصل صحیح یعتمد علیہ فی البشارۃ بابی حنیفۃ (مقدمہ اوجز ص۵۶ ج۱)۔ غرض کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرماکر امام صاحبؒ کے رتبہ کو آشکارا فرمایا۔

امام صاحبؒ کا ورع و تقویٰ بھی بہت بڑھا ہوا تھا، کوفہ میں ایک مرتبہ کسی کی بکری چوری ہوگئی تو آپ نے سات سال تک بکری کا گوشت نہیں کھایا۔ (مفتاح السعادۃ ص۴۸ ج۱) اس لیے کہ بکری کی عمر سات سال ہوتی ہے، ایک مرتبہ سخت گرمی اور دھوپ میں آپ تشریف لے جا رہے تھے، دھوپ سے بچنے کے لیے مکانوں کے سایہ میں چلتے تھے کہ ناگاہ ایک مکان کے سایہ سے نکل کر دھوپ میں چلنے لگے۔ کسی نے پوچھا آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ کل قرض جر نفعا فھو ربوا (ہر قرض جس کے ذریعہ سے نفع حاصل کیا جاوے وہ سود ہے) اس گھر کے مالک نے مجھ سے قرض لیا ہے اس لیے میرے لیے اس گھر سے نفع حاصل کرنا تقویٰ کے خلاف ہے۔

امام صاحبؒ کے ایک ملازم نے ایک عیب دار کپڑا عیب بتائے بغیر بیچ دیا آپ نے حاصل شدہ تمام رقم صدقہ کردی۔

اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں جن سے آپ کے ورع و تقویٰ کی بلندی

ظاہر ہوتی ہے۔

عبادت میں آپ کا یہ حال تھا کہ چالیس سال تک عشاء کے وضو سے آپ نے فجر کی نماز پڑھی ہے اور ہر ماہ ساٹھ قرآن ختم کرتے تھے، ایک دن میں اور ایک رات میں۔ اور رمضان المبارک میں ۶۱ قرآن مجید ختم فرماتے تھے اور جس جگہ آپ کی وفات ہوئی اس جگہ آپ نے سات ہزار مرتبہ قرآن مجید ختم کیا تھا۔ (مفتاح السعادۃ)۔

امام صاحبؒ نے ۹۹ مرتبہ خداوند قدوس کی خواب میں (جیسا کہ ان کی شان کے لائق ہے) زیارت کی۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر اب زیارت ہوئی تو میں حق جل شانہٗ سے دریافت کروں گا کہ یا الٰہی تیری مخلوق قیامت کے دن تیرے عذاب سے کس طرح نجات پائے گی، چنانچہ پھر جب سودیں مرتبہ زیارت ہوئی تو آپ نے وہ بات دریافت کی، جواب ملا کہ جو شخص صبح و شام یہ دعا پڑھے گا، اس کی مغفرت کر دوں گا:۔

سبحان ابدی الابد، سبحان الواحد الاحد، سبحان الفرد الصمد سبحان رافع السماء بغیر عمد، سبحان من بسط الارض علی ماء جمد سبحان من خلق الخلق فاحصاھم عدد، سبحان من قسم الرزق ولم ینس احد، سبحان الذی لم یتخذ صاحبۃ ولا ولد، سبحان الذی لم یلد ولم یولد، ولم یکن لہ کفوا احد۔ اھ رد المختار ص۳۵ ج۱۔

امام صاحبؒ نے ۵۵ مرتبہ حج کیا ہے، آپ نے جب آخری حج کیا تو حاجب کعبہ کی اجازت سے رات کو کعبہ کے اندر تشریف لے گئے اور دو ستونوں کے

درمیان اس طرح دو رکعت ادا فرمائی کہ ایک پاؤں پر کھڑے رہ کر پہلی رکعت میں آدھا قرآن اور دوسرے پاؤں پر کھڑے رہ کر دوسرے رکعت میں بقیہ آدھا قرآن پڑھا اور ختم کیا اور سلام پھیر کر خوب روئے اور دعا فرمائی:

يا الٰهي ما عبدك هذا العبد الضعيف حق عبادتك ولكن عرفك حق معرفتك فهب نقصان خدمته بكمال معرفته، ہاتف نے آواز دی یا ابا حنيفة قد عرفتنا حق المعرفة وخدمتنا فاحسنت الخدمة وقد غفرنا لك ولمن اتبعك ممن كان على مذهبك الى يوم القيامة اهـ (رد المحتار ص ٣٦ ج ١)

نیز مفتاح السعادہ میں لکھا ہے کہ روی ان الامام رأی فی المنام كانه ينبش قبر النبي صلى الله عليه وسلم ويجمع عظامه الى صدره ص ۸۲ ج ۲۔ اس خواب سے امام صاحب گھبرا گئے اور اس زمانہ کے مشہور معبر امام محمد بن سیرینؒ سے تعبیر دریافت کی، انہوں نے فرمایا کہ یہ خواب تیرا نہیں ہے یہ خواب تو ابو حنیفہ کا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں ہی ابو حنیفہ ہوں تب ابن سیرینؒ نے فرمایا کہ آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی نشر و اشاعت فرمائیں گے۔ آپ کثرت سے روزہ رکھنے والے تھے اور خاموش رہتے تھے اور جب کوئی مسئلہ پوچھا تو اس طرح بولتے تھے گویا علم کا دریا بہہ رہا ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ آپ آیۃٌ من آیات اللہ تھے۔

حاسدین و معاندین :

امام صاحبؒ پر ان کی حیات میں بھی اور اس کے بعد بھی حتیٰ کہ اب تک حاسدین و معاندین عجیب و غریب اعتراضات کرتے رہتے ہیں لیکن عقلاً و نقلاً تمام اعتراضات بجز اس سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ آپ کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں، بھلا جس کے چار ہزار اساتذہ ہوں اس کو صرف سترہ حدیثیں یاد ہوں، یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے ؟ جب کہ آپ تابعی ہیں کیونکہ اس پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وفات سنہ ۱۰۱ھ میں ہوئی ہے اس لیے امام صاحب کی ولادت کے بارے میں دونوں اقوال کے اعتبار سے آپ کی عمر اس وقت ۱۲ سال کی یا ۲۰ سال کی ہوگی، نیز حضرت انسؓ کے علاوہ اور تین چار صحابہؓ بھی حیات تھے، لہٰذا امام صاحبؒ کا تابعی ہونا یقینی ہے اور یہ ایسا شرف ہے کہ آپ کے علاوہ کسی دوسرے امام کو حاصل نہیں ہوا "الکمال فی اسماء الرجال" کے باب ثانی میں ائمہ اربعہ کا ذکر ہے، اس میں سب سے پہلے امام مالکؒ کا ذکر کیا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ آپ تمام ائمہ میں بزرگی اور رتبہ کے اعتبار سے مقدم تھے، امام مالک کی بزرگی مسلّم لیکن زمانہ اور عمر کے اعتبار سے امام صاحبؒ ان سے یقیناً مقدم تھے، امام صاحبؒ کی امام مالکؒ سے ملاقات بھی ہوئی ہے اور بہت سے مسائل میں ان سے بحث و مباحثہ بھی ہوا ہے، کسی نے امام مالکؒ سے امام صاحبؒ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے امام صاحبؒ کی تعریف و توصیف و توثیق کرتے ہوئے یہ جملے ارشاد فرمائے :۔

(قال الشافعی قیل لمالک ھل رأیت ابا حنیفۃ، قال نعم رأیت رجلا لو کلمک فی ھذہ الساریۃ ان یجعلھا ذھبا لقام بحجتہ) اھ

امام شافعیؒ امام صاحبؒ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں آپ امام صاحبؒ کا بہت احترام فرماتے تھے اور اتنا ادب کرتے تھے کہ جب امام صاحبؒ کی قبر مبارک پر حاضر ہوئے تو نماز فجر میں دعائے قنوت نہ پڑھی اور رفع یدین بھی نہ کیا۔ وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ جب کسی مسئلہ میں مجھے کوئی الجھن پیش آتی ہے تو میں دو رکعت پڑھ کر امام صاحب کی روح سے استفادہ کرتا ہوں جس کی وجہ سے وہ الجھن رفع ہو جاتی ہے۔

فقہ حنفی :

اس سے پہلے جو فضائل بیان ہوئے ہیں وہ نفس فقہ کے تھے اب فقہ حنفی کے متعلق فضائل کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ امام شافعیؒ نے کیا ہی انصاف کی بات فرمائی ہے الناس عیال ابی حنیفۃ فی الفقہ (لوگ فقہ میں ابو حنیفہؒ کی اولاد ہیں) اور دوسری جگہ فرمایا ہے کہ :

من اراد الفقہ فلیلزم اصحاب ابی حنیفۃ فان المعانی قد تیسرت لھم واللّٰہ ما صرت فقیھا الا بکتب محمد بن الحسن اھ الدر المختار علی ھامش الشامی ص ۳۵ ج ۱	یعنی جو فقہ سیکھنا چاہے اس کو چاہئے کہ اصحاب ابو حنیفہؒ کو لازم پکڑے اس لیے کہ معانی و مطالب ان کے لیے آسان ہو گئے ہیں اور خدا کی قسم میں امام محمد بن حسن کی کتابوں ہی سے فقہ میں

ماہر ہوا ہوں۔

علامہ شعرانیؒ "میزان الاعتدال" میں فرماتے ہیں:

"خداوند قدوس نے جب اس عاجز پر شریعت کے چشمہ اسرار کو منکشف فرمایا تو میں نے تمام مذاہب کو اس سے لگا ہوا پایا اور میں نے ائمہ اربعہ کے مذاہب کو دیکھا کہ وہ تمام نہروں کی شکل میں بہہ رہے ہیں اور وہ تمام مذاہب جو مٹ مٹا گئے وہ پتھر کی شکل میں بدل گئے ہیں اور تمام ائمہ میں سب سے زیادہ لمبی نہر میں نے امام ابو حنیفہؒ کی پائی اور اس کے قریب امام مالکؒ کی پھر امام شافعیؒ کی اور پھر امام احمد بن حنبلؒ کی اور ان سب میں چھوٹی نہر امام داؤد کے مذہب کی تھی حال یہ کہ وہ پانچویں صدی میں ختم ہو گیا پس نے اس کا مطلب یہ لیا کہ نہر دل کی لمبائی سے ان مذاہب پر عمل کے زمانہ کی لمبائی مراد ہے پس جس طرح امام ابو حنیفہؒ کا مذہب تمام مذاہب مدونہ میں شروع میں وجود میں آیا اسی طرح وہ سب سے آخر میں ختم ہوگا اھ"

اسی طرح امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں:

"اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ولایت کے کمالات فقہ شافعی کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں اور کمالات نبوت کی مناسبت فقہ حنفی کے ساتھ ہے یعنی اگر بالفرض اس وقت میں کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا تو فقہ حنفی کے موافق عمل کرتا، اس وقت خواجہ محمد پارسا قدس سرہ کی اس سخن کی حقیقت معلوم ہوگئی جو انہوں نے "فصول ستہ" میں

نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول کے بعد امام رضی اللہ عنہ کے مذہب کے موافق عمل کریں گے ''

(مکتوب ۲۸۲ دفتر اول ص ۵۸۵)

اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام امام صاحب کی تقلید کریں گے بلکہ وہ تو مجتہد ہوں گے لیکن ان کا اجتہاد فقہ حنفی کے اجتہاد سے موافق ہوگا۔ مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فیوض الحرمین میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

عرفنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فی المذھب الحنفی طریقۃ انیقۃ ھی اوفق الطریق بالسنۃ المعروفۃ التی جمعت ونقحت فی زمان البخاری واصحابہ اھ۔	یعنی مجھ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلایا کہ مذہب حنفی ایک عمدہ طریقہ ہے جو اس سنت سے زیادہ موافق ہے جو امام بخاریؒ اور ان کے اصحاب (دیگر محدثین) کے زمانہ میں جمع ہوئی اور پھیلی۔

نیز ہر زمانہ میں اکثریت مذہب حنفی پر عمل کرتی آئی ہے اور اکابر صوفیہ بھی مذہب حنفی کے مطابق ہی عمل کرتے رہے ہیں، جیسا کہ در مختار ص ۴۷ میں ہے:۔

وقد اتبعہ کثیر من الاولیاء الکرام ممن اتصف بثبات المجاھدۃ ورکض فی میدان المشاھدۃ کابراھیم بن ادھم، وشقیق البلخی و معروف الکرخی وابی یزید البسطامی وفضیل بن عیاض وداؤد الطائی وابی حامد اللفاف وخلف بن ایوب وعبد اللہ بن مبارک ووکیع بن

بن الجراح وابی بکر الوراق وغیرهم ممن لا یحصی لبعد ان یستقصی فلو وجدوا فیہ شبہۃ ما اتبعوہ ولا اقتدوا بہ ولا وافقوہ اھ۔

نیز جس طرح امام صاحب تمام علوم وفنون میں یکتائے زمانہ تھے اسی طرح آپ کے خدام اور شاگرد بھی خصوصی مہارت کے حامل تھے، ابن کرامہ کے سامنے کسی نے کہا کہ اخطأ ابو حنیفۃ (ابو حنیفہؒ نے غلطی کی ہے)، ابن کرامہ نے اس کے جواب میں فرمایا تو یہ کس طرح کہتا ہے حالانکہ امام ابو حنیفہؒ کے پاس ابو یوسفؒ اور زفرؒ جیسے قیاس والے تھے اور یحیی بن ابی زائدہ اور حفص بن غیاث اور حبان جیسے حفاظ حدیث تھے اور قاسم بن معن جیسا فقہ اور عربیت کا ماہر تھا اور داؤد طائی اور فضیل بن عیاض جیسے زاہد تھے ان کے ہوتے ہوئے وہ غلطی نہیں کر سکتے اور اگر وہ غلطی کرتے بھی تو یہ لوگ ان کو حق کی طرف لے آتے۔

(مفتاح السعادۃ ص ۸۳ ج ۲)

امام صاحبؒ کے یہاں تدوین فقہ کی صورت یہ تھی کہ آپ کے سب شاگرد جمع ہو کر کسی مسئلہ پر بحث کرتے، اخیر میں امام صاحبؒ اس مسئلہ کو پوری وضاحت سے بیان فرماتے پھر اگر سب کا اتفاق ہوتا تو وہ لکھ دیا جاتا۔ آپ کے طریقہ اجتہاد میں سب سے پہلے قرآن کی طرف رجوع ہوتا تھا اس کے بعد حدیث کی طرف اور جو حدیث قرآن سے زیادہ قریب ہوتی اس پر عمل کرتے تھے مثلاً صلوٰۃ خوف کی بہت سی صورتیں احادیث میں مروی ہیں ان میں سے امام صاحبؒ نے ابن مسعودؓ کی روایت کردہ صورت اختیار فرمائی جو الفاظِ قرآن سے زیادہ قریب ہے پھر اگر احادیث یا صحابہؓ میں اختلاف نظر آتا تو فرماتے کہ صحابہؓ کی اقتداء کے بغیر کوئی

چارہ نہیں اور بایھم اقتدیتم اھتدیتم کے پیش نظر کسی ایک صحابی کی روایت کو اختیار فرماتے اور تابعین میں اختلاف ہوتا تو چونکہ ان میں صحبت نبوی یا دوسری خصوصیت نہیں تھی اس لیے فرماتے کہ نحن رجال وھم رجال اور خود اجتہاد فرماتے۔ اس طریقۂ تدوین سے آپ نے ساٹھ ہزار مسائل استنباط کیے۔

(عن مالک بن انس انہ قال وضع ابو حنیفۃ ستین الف مسئلۃ فی الاسلام) وعن الامام ابی بکر بن عتیق انہ وضع خمسمائۃ الف مسئلۃ وذکر خطیب الخوارزمی انہ وضع ثلاثۃ الاف[1] مسئلۃ وثلاثین الفا فی العبادات والباقی فی المعاملات لولا ھذا لبقی الناس فی الضلالۃ تراما۔ (مفتاح السعادہ صـ ۱۷)	(امام ابو بکر بن عتیق سے مروی ہے کہ امام صاحبؒ نے پانچ لاکھ مسائل کا استخراج کیا اور خطیب خوارزمیؒ نے لکھا ہے کہ آپ نے تین لاکھ مسائل نکالے، اڑتیس ہزار عبادات میں اور باقی معاملات میں اگر آپ نہ ہوتے تو لوگ گمراہی میں رہتے۔

غرض امام صاحبؒ نے فقہ کے لیے ایسا نمایاں کارنامہ سرانجام دیا کہ زمانہ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔

---

[1] ھکذا فی الاصل ولعل الصحیح "ثلاث مائۃ الف"

امام صاحبؒ کی وفات :

آدمی میں جس قدر کمالات زیادہ ہوتے ہیں، حاسدین کی بھی اتنی ہی کثرت ہوتی ہے۔ امام صاحبؒ کے ساتھ بھی یہی ہوا، خلیفۂ وقت تک آپ کی مقبولیت دیکھ کر حسد کرنے لگا اور حیلہ سے امام صاحبؒ کو شہید کر کے ہی چھوڑا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ خلیفہ منصور نے اپنی خلافت کے زمانہ میں آپ سے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) بننے کی فرمائش کی، آپ نے انکار فرمایا، منصور نے بہت زیادہ اصرار کیا آپ نے فرمایا کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں، اس نے کہا کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں آپ اس کے یقیناً اہل ہیں، امام صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر میں اپنے قول میں جھوٹا ہوں تو جھوٹا آدمی قاضی نہیں ہو سکتا اور اگر سچ کہتا ہوں تو میرا عذر قابلِ قبول ہے اور میں واقعی عہدۂ قضا کا اہل نہیں ہوں۔ غرض کہ امام صاحبؒ نے بڑی شدت سے انکار فرمایا تو منصور نے آپ کو قید میں ڈال دیا، وہاں عہدۂ قضا قبول نہ کرنے کی وجہ سے آپ کو روزانہ دس دُرّے مارے جاتے تھے اور سخت تکلیفیں پہنچائی جاتی تھیں، امام احمد بن حنبلؒ جب مسئلہ خلق قرآن کے سلسلہ میں قید کیے گئے تو جب ان کو کوڑے مارے جاتے تو وہ امام صاحبؒ کی حالت یاد کر کے ان کے لیے دعائے رحمت کیا کرتے تھے۔

اس میں اختلاف ہے کہ امام صاحبؒ کی موت کوڑوں کی مار کی وجہ سے ہوئی یا زہر کی وجہ سے؟ صاحبِ مفتاح السعادہ فرماتے ہیں کہ دس، گیارہ دن تک کوڑے مارنے کے بعد منصور نے امام صاحبؒ کے پاس زہر کا پیالہ

بھیجا، آپ سمجھ گئے اور فرمایا کہ میں جان بوجھ کر اس کو پی کر خودکشی کے گناہ
میں مبتلا نہیں ہونا چاہتا ہوں تو بادشاہ کے ملازموں نے
زبردستی آپ کو زمین پر گرادیا اور جبراً وہ پیالہ آپ کو پلا دیا اور آپ کو زدوکوب
بھی کیا۔ جب آپ کو روح نکلنے کا احساس ہوا تو فوراً سجدہ میں گر گئے اور
اسی حالت میں جان آفرین کے سپرد کی۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون!
اللہ جل شانہ ہماری طرف سے اور پوری امت کی طرف سے آپ کو اپنی شایانِ
شان جزائے خیر عطا فرماکر اعلیٰ علیین میں قرب کا درجہ نصیب فرمائے اور
آپ کی قبر مبارک کو نور سے پُر فرمائے اور آپ کے طفیل ہماری بھی مغفرت
فرمائے اور آپ کے محبین میں شامل فرمائے آمین۔
آپ کی وفات ۱۵۰ھ میں بغداد میں رجب یا شعبان یا شوال میں ہوئی ہے
آپ نے اپنی نسبی اولاد میں صرف ایک صاحبزادہ حماد چھوڑا تھا البتہ روحانی
اولاد اور شاگرد بہت ہیں جن میں سے چند مشاہیر کا تذکرہ عنقریب کیا جائے
گا۔ آپ کے جنازہ میں خلق کثیر شریک ہوئی، ایک محتاط اندازہ کے مطابق
پانچ لاکھ آدمیوں نے نمازِ جنازہ پڑھی، اس میں منصور بھی شریک ہوا تھا، اور
جو لوگ وقت پر حاضر نہ ہوسکے وہ حسرت زدہ دور دور سے آتے رہے اور تقریباً
بیس دن تک آپ کی قبر پہ نماز پڑھتے رہے۔ آپ کو بغداد کے قبرستان میں
دفن کیا گیا، آپ کے مزار مقدس پہ آج تک لوگ حاضری دیتے رہتے ہیں۔

—✽—

امام دارالہجرت مالک بن انس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ :

امت مسلمہ مرحومہ میں مسلم الثبوت چار مجتہدوں میں سے آپ ایک ہیں۔ آپ کا اسم گرامی اور سلسلہ نسب یہ ہے۔ فقیہ الامت، امام دارالہجرت ابو عبد اللہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو بن الحارث بن غیمان۔ آپ کے اجداد میں سب سے پہلے ابو عامر دولتِ اسلام سے مشرف ہوئے ہیں لیکن علمائے اسمائے رجال کا اختلاف ہے کہ ابو عامر صحابی ہیں یا نہیں ؟ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ آپؒ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تو تھے مگر کسی نے بھی آپ کو صحابہ میں شمار نہیں کیا، اختلف اھل الرجال فی صحبتہ ذکرہ الذھبی فی تجرید الصحابۃ وقال لم اد احدا ذکرہ فی الصحابۃ وکان فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم (مقدمہ اوجز المسالک)

اور قاضی عیاضؒ نے ابوبکر بن علاء سے نقل کیا ہے کہ آپ جلیل القدر صحابہ تھے اور بدر کبریٰ کے علاوہ تمام غزوات میں شریک بھی ہوئے تھے۔ صحابی جلیل شھد المغازی کلھا خلا بدرا و بہ جزم السیوطی فی تنویر الحوالک ص۱ ج۱

امام مالکؒ کے جد امجد کا اسم گرامی بھی مالک ہے، آپ بھی جلیل القدر تابعی ہیں اور جن چار آدمیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہادت کے بعد رات کو چپکے سے دفن کیا، ان میں سے ایک ہیں۔ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ جد مالکؒ من کبار التابعین وعلمائھم وھو احد الاربعۃ الذین حملوا عثمان لیلا الی قبرہ اھ (ص۲ ج۱ تنویر الحوالک) اور مقدمہ اوجز ص۱۲ میں وغسلوہ

و فنون کی زیادتی ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ۹۰ھ یا ۹۲ھ میں ہوئی ہے اس کے علاوہ اور اقوال بھی ہیں کہ ۹۴ھ یا ۹۵ھ میں ولادت ہوئی ہے لیکن ۹۳ھ والے قول کو اصح کہا گیا ہے، کہتے ہیں کہ آپ رحم مادر میں دو سال تک رہے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ آپ تین سال تک حالتِ حمل میں رہے والمشہور عند اهل التاريخ انہ حمل فی بطن امہ ثلاث سنین اھ (مقدمہ اوجز ص ۱۲)

آپ مسجد نبوی میں حدیث و فقہ کا درس دیتے تھے، آپ کی عمر مبارک ۱۷ سال کی تھی اس وقت سے درس کا سلسلہ شروع کیا تھا اور تھوڑے ہی دنوں میں مرجع خلائق بن گئے تھے۔ آپ کے دروازہ پر طالب علموں کی اتنی بھیڑ ہوتی تھی کہ ہر وقت ایک میلہ سا لگا ہوا محسوس ہوتا تھا جیسا کہ بادشاہوں کے یہاں ہوتا ہے، امام ابو حنیفہ رح سے آپ کی ملاقات ہوئی ہے اور مباحثہ بھی، امام صاحب رح کے علم و فضل کے آپ بہت ہی معترف تھے، امام شافعی رح اور امام احمد بن حنبل رح اور امام محمد بن حسن رح آپ کے شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں۔

حدیث اور فقہ دونوں کا درس الگ الگ ہوتا تھا اور دونوں کا اہتمام بھی جداگانہ تھا، حدیث شریف کے درس میں بہت ہی زیادہ اہتمام فرماتے تھے، درس حدیث سے پہلے غسل فرماتے، خوشبو لگاتے، نئے کپڑے پہنتے، سر پر بڑی ٹوپی رکھتے عمامہ باندھتے اور وقار کے ساتھ تشریف لاکر درس دیتے اور جب تک درس ہوتا رہتا خوشبو کی دھونی ہوتی رہتی تھی، اذا اتاه الناس خرجت اليهم

الجاریۃ فتقول انہم یقول لکم الشیخ تریدون الحدیث او المسائل فان قالوا المسائل خرج الیہم وافتاہم وان قالوا الحدیث قال لہم اجلسوا ودخل مغتسلہ فاغتسل وتطیب ولبس ثیابا جددا وتعمم ووضع علی رأسہ قلنسوۃ طویلۃ اھ (مقدمہ اوجز ص۱۳)

عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں آپ کے پاس حدیث پڑھ رہا تھا اور آپ ہم سے حدیث بیان کر رہے تھے کہ ایک بچھو نے آپ کو ۱۶ مرتبہ ڈنک مارا جس کی وجہ سے آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا لیکن حدیث کے درس کو منقطع نہیں فرمایا۔ جب لوگوں نے پوچھا تو فرمایا کہ حدیث شریف کے ادب کی وجہ سے میں نے ادھر توجہ نہیں کی۔ (مقدمہ اوجز ص۱۵)

آپ کو مدینہ منورہ سے بہت محبت تھی اس لیے وہاں سے کہیں باہر جانا پسند نہیں کرتے تھے، نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام کی وجہ سے مدینہ منورہ میں کبھی جوتے پہن کر اور سواری پر سوار ہو کر نہیں چلے اور فرماتے تھے کہ جس پاک زمین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے ہوں اس کو میں اپنی سواری سے کیسے روند سکتا ہوں۔

اور تین دن میں صرف ایک مرتبہ بیت الخلاء جاتے تھے اور وہ بھی مدینہ منورہ سے باہر، آپ نے مدینہ ہمیشہ کرایہ کے مکان میں زندگی گذاری، خود اپنا مکان نہیں بنایا، یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق و محبت اور ادب ہی کی برکت ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ما بت لیلۃ الا رأیت فیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی کوئی رات ایسی نہیں گذری جس میں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

زیارت سے شرف نہ ہوا ہو۔ (مقدمہ اوجز ص۱۳)

جس طرح امام ابو حنیفہؒ کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی ہے اسی طرح امام مالکؒ کے متعلق بھی پیشین گوئی فرمائی ہے:۔

عن ابی هريرة روايةً يوشك ان يضرب الناس اكباد الابل يطلبون العلم فلا يجدون احدًا اعلم من عالم المدينة ترا قال سفيان بن عيينه انه مالك بن انس اھ (مشكوة شريف)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ وہ زمانہ قریب ہے کہ لوگ طلب علم میں اپنی اونٹنیوں کو مشقت میں ڈالیں گے پس وہ عالم مدینہ سے زیادہ علم والا کسی کو نہیں پائیں گے۔ سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ وہ مالک بن انس ہیں۔

آپ کے فخر کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے اعلم ہونے کی خبر دے دی۔ نیز خود امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تک میرے بارے میں ستر علماء نے فتویٰ کی صلاحیت کی شہادت نہ دی تب تک میں نے فتویٰ نہیں دیا۔ ما افتيت حتى شهد لى سبعون اماماً انى اهل لذالك اھ مقدمہ اوجز ص۱۲۔

ارشاد وقت جعفر منصور آپ کا بھی دشمن اور حاسد ہو گیا تھا اور بہت کلیف دیتا تھا حتی کہ آپ کے ہاتھ بھی اتروا دیئے تھے اگر کچھ تصنیف و تالیف نہ کر سکیں اور آپ کو بھی کوڑے مارے جاتے تھے تاہم آپ کی تصنیفات میں موطا مشہور آفاق

الجاریۃ فتقول لہم یقول لکم الشیخ تریدون الحدیث او المسائل
فان قالوا المسائل خرج الیہم وافتاھم وان قالوا الحدیث قال لہم
اجلسوا ودخل مغتسلہ فاغتسل وتطیب ولبس ثیابا جددا وتعمم
ووضع علی رأسہ قلنسوۃ طویلۃ اھ (مقدمہ اوجز ص۱۳)

عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں آپ کے پاس حدیث پڑھ رہا تھا اور آپ ہم سے حدیث بیان کر رہے تھے کہ ایک بچھو نے آپ کو ۱۶ مرتبہ ڈنک مارا جس کی وجہ سے آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا لیکن حدیث کے درس کو منقطع نہیں فرمایا۔ جب لوگوں نے پوچھا تو فرمایا کہ حدیث شریف کے ادب کی وجہ سے میں نے ادھر توجہ نہیں کی۔ (مقدمہ اوجز ص۱۵)

آپ کو مدینہ منورہ سے بہت محبت تھی اس لیے وہاں سے کہیں باہر جانا پسند نہیں کرتے تھے، نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام کی وجہ سے مدینہ منورہ میں کبھی جوتے پہن کر اور سواری پر سوار ہو کر نہیں نکلے اور فرماتے تھے کہ جس پاک زمین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے ہوں اس کو میں اپنی سواری سے کیسے روند سکتا ہوں۔

اور تین دن میں صرف ایک مرتبہ بیت الخلاء جاتے تھے اور وہ بھی مدینہ منورہ سے باہر، آپ نے مدینہ ہمیشہ کرایہ کے مکان میں زندگی گذاری، خود اپنا مکان نہیں بنایا، یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق و محبت اور ادب ہی کی برکت ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ما بت لیلۃ الا رأیت فیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی کوئی رات ایسی نہیں گذری جس میں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

زیارت سے شرف نہ ہوا ہو۔ (مقدمہ اوجز ص۱۲)

جس طرح امام ابو حنیفہ کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی ہے اسی طرح امام مالک کے متعلق بھی پیشین گوئی فرمائی ہے:۔

عن ابی ھریرۃ روایۃ یوشك ان یضرب الناس اکباد الابل یطلبون العلم فلا یجدون احداً اعلم من عالم المدینۃ ۔ قال سفیان بن عیینہ انہ مالك بن انس اھ (مشکوٰۃ شریف)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ وہ زمانہ قریب ہے کہ لوگ طلب علم میں اپنی اونٹنیوں کو مشقت میں ڈالیں گے پس وہ عالم مدینہ سے زیادہ علم والا کسی کو نہیں پائیں گے۔ سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ وہ مالک بن انس ہیں۔

آپ کے فخر کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے اعلم ہونے کی خبر دے دی۔ نیز خود امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تک میرے بارے میں ستر علماء نے فتویٰ کی صلاحیت کی شہادت نہ دی تب تک میں نے فتویٰ نہیں دیا۔ ما افتی حتی شھد لہ سبعون اماما انہ اھل لذالك اھ مقدمہ اوجز ص۱۲۔

ارشاد وقت جعفر منصور آپ کا بھی دشمن اور حاسد ہو گیا تھا اور بہت تکلیف دیتا تھا حتی کہ آپ کے ہاتھ بھی اتروا دیئے تھے اگر کچھ تصنیف و تالیف نہ کریں اور آپ کو بھی کوڑے مارے جاتے بہر حال آپ کی تصنیفات میں موطا مشہور آفاق

ہے

بقول علامہ سیوطیؒ آپ اتوار کے دن بیمار ہوئے اور ۲۲ دن بیمار رہ کر ربیع الاول کی ۱۰ اریا ۱۱ ار تاریخ کو ۱۷۹ھ میں عالمِ فنا دسے عالمِ بقا کو رحلت فرما گئے اور بقیع الغرقد میں مدفون ہوئے۔ اور بقول علامہ واقدیؒ نوّے سال کی عمر پائی وقال ابن فرحون اختلف فی تاریخ وفاتہ والصحیح انہا کانت یوم الاحد لتمام اثنین وعشرین یوما من مرضہ فی ربیع الاول سنۃ تسع وسبعین ومائۃ اھ مقدمہ اوجزص ۱۲۔ آپ کی نسبی اولاد میں دو صاحبزادے یحیی اور محمد اور ایک صاحبزادی فاطمہ تھیں۔

تذکرہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ :

اسمِ گرامی اور سلسلۂ نسب یہ ہے ابو عبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن السائب القرشی الہاشمی، آپ کی پیدائش ۱۵۰ھ میں ہوئی ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ جس دن امام ابو حنیفہؒ کی وفات ہوئی ہے اسی دن آپ کی پیدائش ہوئی تھی۔ جب آپ کی عمر شریف دو برس کی ہوئی تب آپ کی والدہ آپ کو لے کر مکہ مکرمہ حاضر ہوئیں، وہاں انہوں نے مبشرات دیکھے، آپ امام مالکؒ کے شاگرد ہیں، امام مالکؒ سے حدیث پڑھنے سے پہلے ہی آپ نے مؤطا حفظ کرلی تھی، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے بھی پیشین گوئی فرمائی ہے لا تسبوا قریشا فان عالمہا یملأ الارض علما یعنی قریش کو برا بھلا نہ کہو کہ ان کا ایک عالم زمین علم سے بھر دے گا۔ آپ نے امام محمدؒ کی کتابوں سے فقہ میں

مہارت حاصل کی ہے ۔ صاحب مفتاح السعادۃ نے آپ کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ فضائلہ اکثر من ان تحصی و بالجملہ ھو امام الدنیا و عالم الارض شرقا و غربا جمع اللّٰہ لہ من العلوم والمفاخر مالم یجمع لامام بعدہ وانتشر لہ من الذکر مالم ینتشر لاحد ہ سواہ (ص ۹۲/ ج ۲) اصولِ فقہ میں آپ نے سب سے پہلے کتاب تصنیف فرمائی ہے جس کا نام "الرسالہ" ہے ۔

آپ کی وفات ۲۰۴ھ میں رجب کی اخیری تاریخ کو شب جمعہ میں بوقت نمازِ عشاء ہوئی ہے اور جمعہ کے دن بعد العصر آپ کی تدفین عمل میں آئی تھی آپ کی کل مدتِ عمر ۵۴ سال ہے رحمہ اللّٰہ تعالیٰ رحمتہ واسعتہ ۔

تذکرہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللّٰہ علیہ :

آپ کا اسم گرامی اور سلسلۂ نسب یہ ہے ابو عبد اللّٰہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی المروزی ۔ آپ کی پیدائش ۱۶۴ھ میں بغداد میں ہوئی ہے اور ۲۴۱ھ میں آپ کی وفات ہوئی ہے آپ کی مدتِ عمر ۷۷ سال ہے ۔ صاحب مفتاح السعادۃ نے آپ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ : ۔

کان اماما فی الفقہ والحدیث والزھد والورع والعبادۃ ۔ یعنی آپ فقہ، حدیث، زہد، ورع اور عبادت میں امام تھے ۔

آپ کے اساتذہ میں امام شافعیؒ اور سفیان بن عیینہ بھی ہیں ۔ امام شافعیؒ آپ کی تعریف میں فرماتے ہیں : ۔

خرجت من بغداد ما خلفت بہا احدًا اتقی واورع ولا افقہ ولا اعلم من احمد بن حنبل (مفتاح السعادہ صـ ۹۸/۲)

یعنی میں بغداد سے نکلا اس وقت وہاں اپنے پیچھے احمد بن حنبلؒ سے بڑھ کر کسی کو زیادہ متقی اور پرہیزگار اور زیادہ فقیہ اور بڑا عالم نہیں چھوڑا۔

مسئلہ خلق قرآن میں آپ کی ثابت قدمی اور ضبط مشہور ہے، آپ کے جنازہ میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ شریک ہوئے تھے اور اس منظر کو دیکھ کر بیس ہزار یہودی اسلام لائے تھے، آپ کے دفن کے ۲۳۰ سال بعد آپ کے قریب ایک قبر کھودتے ہوئے آپ کی قبر کھل گئی تو کفن ویسا ہی دیکھا گیا گویا آج ہی دفن کیے گئے ہیں۔ امام بخاریؒ اور امام ابوداؤدؒ آپ کے شاگرد ہیں۔

تذکرہ تلامذہ امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ:

امام صاحبؒ کے تذکرہ کے بعد آپ کے ان شاگردوں کا تذکرہ بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے جن کی وجہ سے فقہ حنفی کو شہرت ہوئی، یوں تو امام صاحبؒ کے شاگردوں کا حلقہ بڑا وسیع ہے مگر ان میں سے چار سب سے اونچے درجہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ہدایہ میں اکثر ان کا تذکرہ آتا رہتا ہے، ان میں سب سے اول امام ابویوسفؒ ہیں پھر امام محمدؒ پھر امام زفرؒ پھر امام حسن بن زیادؒ فقہاء کا اختلاف ہے کہ امام زفرؒ اور حسن بن زیادؒ دونوں میں تقدیم و تاخیر ہے یا دونوں ایک ہی درجہ میں ہیں، علامہ شامیؒ کی شرح عقود رسم المفتی صـ ۶۹ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی درجہ کے ہیں مگر صاحب النہرؒ امام زفرؒ

کو مقدم اور امام حسنؒ کو مؤخر مانتے ہیں۔

تذکرۂ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ:

امام ابو یوسفؒ کا اسم گرامی مع سلسلہ نسب یہ ہے، یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن خنیس بن سعد الانصاری اھ (ص ۲۲۰ ج ۲ الجواہر المضیئہ)

آپ انصاری الاصل ہیں آپ کے ایک صاحبزادے یوسف تھے، اس لیے آپ کی کنیت ابو یوسف ہے، آپ کے اجداد میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سب سے پہلے مسلمان ہیں۔ غزوۂ احد میں انہوں نے اپنے آپ کو شرکتِ جہاد کے لیے پیش کیا تھا مگر آپ کی صغر سنی کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور نہیں فرمایا (مفتاح السعادۃ ص ۱۰۰ ج ۲)

امام ابو یوسفؒ کی پیدائش ۱۱۳ھ میں کوفہ میں ہوئی ہے۔ اکثر اربابِ تذکرہ آپ کا سن ولادت ۱۱۳ھ لکھتے ہیں لیکن ابو القاسم علی بن محمد سمعانی، (متوفی ۴۹۹ھ) نے اور صاحب مسالک الابصار نے لکھا ہے کہ آپ کی وفات ۸۹ برس کی عمر میں ہوئی اور وفات کے بارے میں سب متفق ہیں ۱۸۲ھ میں ہوئی ہے اس اعتبار سے آپ کا سنِ ولادت ۹۳ھ ہونا چاہیے، علامہ الکوثریؒ نے امام ابو یوسفؒ کی سوانح اور امام ذہبیؒ کے رسائل میں یہ ثابت کیا ہے کہ ۹۳ھ زیادہ قرینِ قیاس ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ۹۳ میں نو کا سر امٹ کر ۱۳ بن گیا ہے اور ظاہر ہے کہ ۱۳ھ میں آپ کی ولادت نہیں ہو سکتی اس لیے ارباب رجال نے قیاساً ۱۱۳ھ سمجھا، عاجز کے خیال میں

اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ امام ابو یوسفؒ اور امام ابو حنیفہؒ کو شیخین کہا جاتا ہے ظاہر ہے کہ اس تغلیب میں عمر کا کوئی تناسب ضرور ہونا چاہیے۔ اگر ان کی ولادت ۱۱۳ھ میں قرار دی جائے تو امام صاحبؒ اور ان کی عمر میں ۳۲ برس کا تفاوت ہوتا ہے اور اتنے تفاوت کی صورت میں دونوں کو شیخین کہنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ اھ (تبع تابعین ص۲)

بعد میں آپ نے بغداد میں سکونت اختیار کی تھی۔ آپ کے والد بزرگوار صغر سنی ہی میں چھوڑ کر وفات پا چکے تھے اس لیے آپ کی پرورش کی ساری ذمہ داری بیوہ ماں کے ناتواں کندھوں پر آ پڑی۔ والدہ محترمہ نے آپ کو ایک دھوبی کے سپرد کر دیا تاکہ آپ وہاں محنت مزدوری کر کے کچھ کمائیں مگر آپ کو بچپن ہی سے پڑھنے کا شوق تھا۔ اس لیے کام چھوڑ کر امام صاحبؒ کے حلقۂ درس میں شرکت کرنے لگے۔ بہت دنوں تک اس طرح چلتا رہا، آخر کار آپ کی والدہ کو اس کا علم ہوا تو وہ امام صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور برا بھلا کہنا شروع کیا اور اپنی غریبی کا اظہار شروع کیا، اور امام ابو یوسفؒ کو آئندہ درس میں شریک نہ کرنے کے لیے کہا، امام صاحبؒ نے فرمایا کہ تم اس کو چھوڑ دو اس لیے کہ میں اس کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ پستہ کے تیل کا فالودہ کھا رہا ہے یہ سن کر آپ کی والدہ ناراض ہو کر یہ کہتے ہوئے چلی گئی کہ ان بڑے میاں کو تو دیکھو ان کی عقل ماری گئی ہے، یہاں تو کھانے کو نہیں اتا وہ فرماتے ہیں کہ فالودہ کھائے گا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والد حیات تھے، دونوں روایتوں سے بطور قدر مشترک اتنا صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تعلیم نہایت غربت اور نا داری

کی حالت میں ہوئی اور اس کا سبب آپ کا علمی شوق بنا۔

سب سے پہلے آپ نے فقہ محمد بن ابی لیلیٰ سے حاصل کیا جو عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کے صاحبزادے اور ممتاز تبع تابعین میں سے ہیں۔ آپ نے ان سے علمی و عملی دونوں طرح سے فیض اٹھایا ہے لیکن اس زمانہ میں کوئی بھی طالب علم اور خاص کر فقہ کا طالب علم امام صاحبؒ کی مجلس درس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ خود امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ابن ابی لیلیٰ باوجود اپنے ذاتی فضل و کمال اور علمی منزلت کے جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آیا تو سب سے پہلے امام صاحبؒ کی رائے معلوم کرنے کی کوشش کرتے، اس سے مجھ کو خیال پیدا ہوا کہ امام صاحب کے درس میں بھی ضرور شریک ہونا چاہیے مگر استاذ کا احترام و لحاظ اس میں مانع تھا اس وجہ سے میری ہمت وہاں جانے کی نہیں ہوتی تھی لیکن بعد میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ محمد بن ابی لیلیٰ کی مجلس سے منقطع ہو کر وہ ہمیشہ کے لیے امام صاحب کی مجلس سے وابستہ ہو گئے (تبع تابعین ص۵ ج۱)

امام صاحبؒ نے آپ کی مالی اعانت بھی خوب کی ہے۔ خلیفہ ہارون الرشید عباسی کے زمانہ میں آپ کو قاضی القضاۃ بنایا، اسلام میں قاضی القضاۃ کا لقب سب سے پہلے آپ ہی کو ملا، اصول فقہ حنفیہ میں سب سے پہلے آپ ہی نے تصنیف فرمائی، اسی طرح امام ابو حنیفہؒ کے علم و فقہ کی نشر و اشاعت آپ ہی نے کی، ہارون الرشید آپ کی بہت عزت کرتا تھا، اور آپ کے فیصلہ کو بلا چون و چرا تسلیم کرتا تھا، آپ کی وفات ۵ ربیع الاول ۱۸۲ھ میں ہوئی، حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے جنازہ اور نماز میں شرکت نہ کر سکنے پر عمر بھر

افسوس کرتے رہے، ان کے اس کثرت افسوس کو دیکھ کر کسی نے کہا کہ ابو یوسفؒ تو بادشاہ کے ندیموں میں سے تھے اور دنیا دار تھے آپ ان پر اتنا افسوس کیوں فرماتے ہیں اگر نماز میں شرکت نہ ہوتی نہ سہی، تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ

رأیت البارحۃ کانی دخلت الجنۃ فرأیت قصرًا قلت لمن ھذا قالوا لابی یوسف قلت سبحان اللہ بم استحق ھذا قالوا بتعلیم الناس العلم وصبرہ علی اذاھم (مفتاح السعادۃ ج ۲ ص ۱۰۱، الجواہر المضیئۃ ج ۲ ص ۲۰۹)

یعنی میں نے کل رات خواب دیکھا کہ گویا میں جنت میں داخل ہوا، پس میں نے ایک محل دیکھا تو میں نے پوچھا کہ یہ کس کا ہے جواب ملا کہ امام ابو یوسف کا، میں نے کہا کہ سبحان اللہ انہیں یہ کیسے مل گیا؟ جواب ملا کہ لوگوں کو علم سکھلانے اور ان کی ایذا رسانیوں پر صبر کرنے کی وجہ سے۔

امام محمدؒ، یحیی بن معینؒ وغیرہ آپ کے شاگرد ہیں، آپ کی تصنیفات کے متعلق "فوائد بہیہ" میں لکھا ہے کہ لہ کتاب الخروج والامالی والنوادر، ان میں سے کتاب الخروج طبع ہو چکی ہے اور عام طور پر دستیاب ہوتی ہے۔

تذکرۂ امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ امام صاحبؒ کے تلامذہ میں دوسرے نمبر پر ہیں آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: محمد بن حسن بن الفرقد بن ابی عبد اللہ الشیبانی، آپ کی پیدائش مقام واسط میں ۱۳۲ھ میں ہوئی، اور کوفہ میں نشو و نما پائی، آپ بے حد حسین و جمیل تھے اور بچپن ہی سے امام صاحبؒ کے درس میں پابندی سے شریک ہوتے تھے، آپ

کے والد صاحبؒ آپ کو امام صاحبؒ کے درس میں شامل کرنے کے لیے لائے تو امام صاحبؒ نے ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر فرمایا کہ ان کا سر منڈا دیا جائے چنانچہ آپ کے والد صاحب نے تعمیلِ ارشاد کی مگر اس سے حسن میں کمی ہونے کے بجائے اور نکھار پیدا ہو گیا، حضرت وکیع جو امام شافعیؒ کے استاذ ہیں فرماتے ہیں کہ:

کنا نتجانب ان نمشی معہ فی	یعنی اگر طلب حدیث میں امام محمد ہمارے
طلب الحدیث لانہ کان غلاماً	ساتھ ہو جاتے تو ہم ان سے کنارہ
جمیلا اھ ۔ مفتاح ص۱۰۸	کشی کرتے تھے اس لیے کہ وہ حسین
	وجمیل تھے ۔

آپ بچپن ہی سے نماز کے پابند تھے ۔ ایک واقعہ سے اس کا اہتمام اور زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے کہ آپ کا "ابھی تیرہ چودہ سال کا سن تھا کہ ایک روز ایک مسئلہ دریافت کرنے کی غرض سے امام صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ مسئلہ یہ تھا کہ اگر کوئی نابالغ عشاء کی نماز پڑھ کر سو جائے اور اسی رات میں وہ بالغ ہو تو عشاء کی نماز دہرائے گا یا نہیں ؟ امام صاحبؒ نے اثبات میں جواب دیا، یہ سوال چونکہ انہوں نے اپنے متعلق کیا تھا اس لیے وہاں سے فوراً اٹھے اور وضو کیا اور مسجد کے ایک گوشہ میں جا کر عشاء کی نماز دہرائی، امام صاحبؒ نے یہ دیکھ کر حاضرین سے فرمایا کہ انشاء اللہ یہ لڑکا رشید ہوگا (تبع تابعین حصہ اول ص۱۰۲)

آپ نے فقہ امام ابو حنیفہؒ سے حاصل کیا اور اس کی تکمیل امام ابو یوسفؒ سے کی ۔ حدیث میں امام مالکؒ سے استفادہ کیا، مؤطا آپ نے من اولہ الی

آخرہ تین سال قیام کرکے سماعت فرمائی اور اس میں اضافہ فرمایا جو آج مؤطا امام محمد کے نام سے مشہور ہے۔

آپ نے بہت ہی جانفشانی اور مجاہدہ سے علم حاصل کیا اور اس کے بعد کبھی علم سے غفلت نہیں برتی، چنانچہ رات کو بہت تھوڑی دیر کے لیٹتے تھے اور فوراً اٹھ کر بیٹھ جاتے تھے اور مطالعہ کتب میں مشغول ہو جاتے تھے، آپ کی والدہ نے ایک مرتبہ کہا کہ اپنے نفس پہ ظلم اور زیادتی کیوں کرتے ہو، تو آپ نے فرمایا کہ امی جان لوگوں نے اپنے علم کے لیے مجھ پر اعتماد کیا ہے اور وہ سو گئے ہیں اور یہ سمجھ لیا ہے کہ جب کسی مسئلہ کی ضرورت ہوگی تو مجھ سے پوچھ لیں گے اس لیے میں رات کو سو نہیں سکتا، پوری رات کبھی اس کتاب کو اور کبھی اس کتاب کو دیکھنے میں گزار دیتے، مطالعہ کے درمیان آپ اپنی رومی باندی سے بدن پر پانی چھڑکوایا کرتے تھے، دریافت کرنے پر یہ وجہ تبلائی کہ علم ایک بھاری چیز ہے اس کو دیکھتے دیکھتے جب تھک جاتا ہوں تو دوسری کتاب اٹھاتا ہوں اور بدن میں گرمی پیدا ہو جانے کی وجہ سے نیند آنے لگتی ہے تو کپڑا اتار دیتا ہوں، پھر بھی نیند آنے لگتی ہے تو اپنے بدن پہ پانی چھڑکوایا کرتا ہوں تاکہ نیند اڑ جائے کیونکہ کہا گیا ہے کہ العلم لا یعطیک بعضہ حتی تعطیہ کلک۔

امام شافعیؒ آپ کے بہت ہی مداح تھے فرماتے تھے کہ علمی حیثیت سے امام محمدؒ کا مجھ پر جتنا احسان ہے دوسرے کا نہیں، کبھی فرماتے آپ سے بڑا عالم میں نے کسی کو نہیں دیکھا، آپ کو دیکھنے سے آنکھ اور قلب دونوں کو ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے۔

نیز امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ فقہ میں لوگ اہل عراق کے محتاج ہیں اور اہل عراق اہل کوفہ کے محتاج ہیں اور اہل کوفہ امام صاحبؒ کے محتاج ہیں۔ نیز امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ آپ یہ باریک باریک مسائل کہاں سے بیان کرتے ہیں تو فرمایا کہ من کتب محمد بن الحسن اھ۔

(الجواھر المضیئہ ص ۴۳/۲ج)

آپ کی تصنیفات کی تعداد ۹۹۹ یا ہزار تک پہنچی ہے آپ کی کتابوں سے امام صاحبؒ کے مذہب کی خوب شہرت ہوئی۔ نیز آپ کے مذہب کے مسائل کی تدوین وحفاظت بھی ہوئی، ہارون الرشید نے آپ کو بھی قاضی بنایا تھا مگر زیادہ سے زیادہ چھ ماہ آپ نے یہ خدمت انجام دی پھر ۱۸۹ھ میں ہارون الرشید کے ساتھ آپ جہاد میں تشریف لے جا رہے تھے، لشکر کی تعداد بہت تھی یہاں تک اس کا پھیلاؤ تین فرسخ تک تھا۔ (ایک فرسخ تقریباً تین شرعی میل کا ہوتا ہے) اور مقام رَے تک پہنچے وہاں آپ کی وفات ہوئی اسی روز امام النحو کسائیؒ (یہ آپ کے خالہ زاد بھائی تھے) نے بھی وفات پائی۔ دونوں ہارون الرشید کے لشکر میں تھے مگر دونوں کی قبروں کے درمیان ایک فرسخ (یا تین فرسخ) کا فاصلہ تھا اس لیے کہ دونوں لشکر کے الگ الگ حصہ میں تھے، ان دونوں کی وفات سے متاثر ہو کر ہارون الرشید نے کہا کہ یہ منحوس شہر ہے۔ میں اس میں ایسی حالت میں داخل ہوا کہ میرے ساتھ فقہ اور ادب دونوں تھے اور ایسی حالت میں وہاں سے نکلا کہ ان میں سے کچھ بھی میرے پاس نہیں رہا اور یہ بھی کہا کہ میں نے رَی میں فقہ اور لغت کو دفن کر دیا (مفتاح السعادہ ص ۱۰۸)

فائدہ

جب ائمہ ثلاثہ احناف کہا جاوے تو اس وقت یہ تینوں امام یعنی امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، اور امام محمدؒ مراد ہوتے ہیں اور شیخین کہا جاوے تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ مراد ہوتے ہیں (اس لیے کہ یہ دونوں شیخ اور استاذ ہیں امام محمدؒ کے)، اور جب صاحبین کہا جاوے تو اس وقت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ مراد ہوتے ہیں (اس لیے کہ امام صاحب کی شاگردی اور ان سے تحصیل علم میں دونوں سابق ہیں)، اور جب طرفین کہا جاوے تو مراد امام اعظمؒ اور امام محمدؒ ہوتے ہیں (اس لیے کہ ان تینوں میں طرفِ اعلیٰ امام ابو حنیفہؒ اور طرفِ ادنیٰ امام محمدؒ ہیں) اور جب ائمہ اربعہ کہا جاوے تو اس وقت مذاہب اربعہ مشہورہ کے بانی مراد ہوتے ہیں۔ یعنی سراج الامت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ اور محدثین جب شیخین کہیں تو اس وقت امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ مراد ہوتے ہیں، اور اصحابِ سیر جب شیخین کہیں تو اس وقت حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مراد ہوتے ہیں۔

تذکرہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ:

آپ امام صاحبؒ کے شاگردوں میں بہت زیادہ ذہین اور متقی تھے، آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے: زفر بن الہذیل بن قیس بن سلیم بن قیس بن مکمل بن ذھل

بن ذدیب بن خزیمہ بن عمرو بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (فوائد بہیہ صفحہ ۶۵)

آپ کی پیدائش ۱۱۰ھ میں ہوئی ہے آپ کے ایک بھائی بصرہ میں رہتے تھے کہ ان کی میراث سے حصہ لینے کے لیے بصرہ گئے تو بصرہ والوں نے آپ کو وہاں سے واپس آنے ہی نہ دیا اور وہاں روک لیا، آپ کے آبا ؤ اجداد اصفہان کے باشندے تھے، آپ کو امام ابو یوسفؒ سے زیادہ متورع کہا گیا ہے چنانچہ حکومت نے آپ کو بھی عہدۂ قضا سپرد کرنا چاہا مگر آپؒ نے اپنے لیے اس کو بالکل ہی پسند نہیں کیا بلکہ گھر بار چھوڑ کر روپوش ہو گئے۔

آپ کے نکاح میں امام ابو حنیفہ شریک ہوئے اور نکاح کا جو خطبہ پڑھا اس میں حسب ذیل الفاظ تھے:۔

ھذا زفر بن ھذیل امام من ائمۃ المسلمین وعلم من اعلامھم فی شرفہ وحسبہ وعلمہ الخ (الجواہر المضیئہ صفحہ ۲۴۳)

استاذ کی اور وہ بھی امام ابو حنیفہؒ جیسے استاذ کی یہ شہادت اپنے شاگرد کے لیے بہت ہی وقیع سمجھنی چاہیئے، داؤد طائیؒ سے آپ کی گہری دوستی تھی وکیعؒ جو امام شافعیؒ کے استاذ ہیں آپ کے شاگرد ہیں، آپ امام صاحبؒ کے شاگردوں میں قیاس میں زیادہ معروف ہیں۔ امام زفرؒ کا جو اختلاف ہوتا ہے اس میں زیادہ تر قیاس کو دخل ہوتا ہے۔

امام زفرؒ کے مقیسات میں سے کل سترہ مسائل ایسے ہیں جن پر علمائے کرامؒ نے فتویٰ دیا ہے۔ علامہ شامیؒ نے باب النفقہ رد المختار صفحہ ۶۲۸ جلد ۲ میں بائیس اشعار میں ان سترہ مسائل کو جمع کر دیا ہے۔ بطور نمونہ تین شعر درج ہیں ؎

بحمد اللہ العالمین مبسملا — اتوج نظمی والصلاۃ علی العلی

وبعد فلا یفتی بما قالہ زفر — سوی صورۃ عشرین تقسیمہا نجلی

جلوس مریض مثل حال التشہد — کذا من یصلی قاعداً متنفلا

امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ ما خالفتُ اباحنیفۃ فی قول الا وقد کان ابو حنیفۃ یقول بہ (الجواہر ص ۲۴۴)۔ یعنی میں نے امام ابوحنیفہؒ سے جس قول میں مخالفت کی ہے وہ پہلے ان کا قول رہ چکا ہے اور "الفوائد البہیۃ" میں لکھا ہے کہ:

لا نأخذ بالرأی مادام اثراً واذا جاء الاثر ترکنا الرأی۔ — یعنی جب تک کوئی روایت موجود ہو ہم قیاس کو اختیار نہیں کرتے اور جب بھی روایت ملتی ہے رائے کو چھوڑ دیتے ہیں۔

آپ کی وفات ۱۵۸ھ میں صرف ۴۸ سال کی عمر میں عین عالم شباب میں ہوئی، جس وقت آپکی وفات ہوئی اس وقت آپ کے پاس کمال زہد و ورع کی وجہ سے ایک پائی بھی نہیں تھی، آپ کی وفات بزمانہ خلافتِ مہدی مقام بصرہ میں ہوئی۔

تذکرۂ امام حسن بن زیاد لؤلؤی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ انصاری الاصل اور کوفی ہیں، آپ کے والد بزرگوار موتیوں کے تاجر تھے اس لیے آپ لؤلؤی سے مشہور ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

حسن بن زیاد اللؤلوی الکوفی الحنفی۔

آپ خوبصورت، ذکی، فہیم اور متقی پرہیزگار تھے، عاشقِ سنت اور حافظِ حدیث تھے، امام صاحبؒ کے اجل تلامذہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے، "الفوائد البہیہ" میں آپ کو دوسری صدی کا مجدد بتلایا گیا ہے اور آپ کی تصانیف میں المجرد اور امالی کے نام ملتے ہیں، آپ کے معمولات منضبط تھے۔ صاحب مفتاح السعادہ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"آپ نمازِ صبح کے بعد مسائلِ فروع کا درس دیتے تھے پھر اپنے گھر میں تشریف لے جاتے تھے وہاں ظہر تک اپنے حوائج میں مشغول رہتے تھے، پھر ظہر کے لیے تشریف لاتے تھے اور عصر تک وقائع کی مجلس ہوتی تھی، پھر عصر پڑھتے تھے اور فراغت پر مغرب تک اصول میں بحث ہوتی تھی پھر مغرب پڑھ کر گھر میں تشریف لے جاتے تھے، پھر جب باہر آتے عشاء تک پیچیدہ مسائل میں کلام فرماتے، پھر جب عشاء پڑھ لیتے تو دور و وصایا کے مسائل کے لیے تہائی رات تک مجلس ہوتی آپ علم میں غور و فکر کرنے میں کبھی سستی نہیں کرتے تھے، آپ کی ایک باندی تھی جو آپ کے کھانے، وضو، اور دیگر مشغولیت کے وقت آپ کے سامنے مسائل پڑھتی تھی یہاں تک کہ آپ اس سے فارغ ہو جاتے (ص ۱۲۰ ج ۲)

سنہ ۲۰۴ھ میں آپ کی وفات ہوئی، اسی سال مصر میں امام شافعیؒ نے بھی وفات پائی۔

امام صاحبؒ کے دیگر تلامذہ

ان چار کے علاوہ امام صاحبؒ کے دوسرے تلامذہ جنہوں نے شہرت پائی، ان میں داؤد بن نصیر طائیؒ عبداللہ بن مبارکؒ وکیع بن الجراحؒ وغیرہ ہیں۔ امام صاحبؒ کے صاحبزادے حمادؒ اور آپ کے پوتے اسماعیلؒ نے بھی فقہ میں مہارت حاصل کی ہے اور مخلوق کو اپنے علمی و روحانی فیوض سے مستفید کیا ہے۔ مفتاح السعادہ کے مصنف علامہ احمد بن مصطفیٰ المعروف بہ طاش کبری زادہ نے ص ۱۲۱/۲۶ میں کیا ہی خوب لکھا ہے:-

واعلم ان الائمۃ الذین اخذوا العلم عن الامام لا یحصون عددا وقد عرفوا منہم سبع مائۃ وثلاثین رجلا من مشائخ البلدان وائمۃ المسلمین الذین وصل الینا العلم بسعیہم واجتہادھم جزاھم اللہ عنا وعن الاسلام وعن کافۃ المسلمین خیر الجزاء وحشرنا معہم وحشرھم مع النبیین والصدیقین والشہداء آمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ وعلماء امتہ اجمعین۔ آمین۔

طبقاتِ فقہاء

علامہ شامیؒ نے شرح عقود رسم المفتی ص ۲۵ میں لکھا ہے:-

ان الواجب علی من اراد ان یعمل لنفسہ او یفتی لغیرہ ان یتبع	یعنی جو شخص فقہی فروعات پر عمل کرنا چاہے اس کے لیے ضروری ہے کہ

القول الذی رجحہ علماء مذہبہ جو راجح اور معمول بہا قول ہے اس پر عمل کرے لیکن یہ بات اس وقت ممکن ہے کہ پہلے قائل کس درجہ کا فقیہ ہے اس کو معلوم کرلے تاکہ کمزور قول پر عمل یا قوی قول کا ترک لازم نہ آئے۔

ابن کمال پاشا نے فقہاء کو درایت کے اعتبار سے سات طبقوں میں تقسیم کیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:-

پہلا طبقہ:

وہ حضرات جو ادلۂ اربعہ یعنی قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس سے اجتہاد کرکے مسائل کے استخراج کی قوت رکھتے ہیں اور اصولِ استنباط بھی خود ان کے اپنے وضع کیے ہوئے ہیں جو اصول و فروع میں کسی کے مقلد نہیں ہیں ان کو مجتہد مطلق اور مجتہد فی الشرع بھی کہا جاتا ہے اور یہی حضرات پہلے طبقہ میں شمار ہوتے ہیں۔

دوسرا طبقہ:

وہ حضرات جو اجتہاد کی صلاحیت تو رکھتے ہیں مگر اصول میں وہ کسی امام کے مقلد ہیں اور طرز اجتہاد میں کسی امام کی پیروی اور تقلید کرتے ہیں البتہ فروعات میں اپنے اجتہاد کی وجہ سے کسی کے مقلد نہیں ہیں ان کو مجتہد فی المذہب کہا جاتا ہے

اور وہ دوسرے طبقہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ جیسے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نیز امام اعظمؒ کے دوسرے مجتہد تلامذہ۔

تیسرا طبقہ :

وہ حضرات جو نہ اصول میں اپنے امام کی مخالفت کر سکتے ہیں نہ .... فروع میں البتہ ان میں اصول کے استحضار کی وجہ سے اتنی استعداد ہوتی ہے کہ صاحب مذہب سے جس مسئلہ میں کوئی روایت مروی نہ ہو اس کا حکم استنباط کر کے بیان کریں۔ ان حضرات کو مجتہد فی المسائل کہا جاتا ہے اور تیسرے طبقہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ جیسے امام ابو جعفر طحاوی، امام احمد بن عمر خصاف، امام ابو الحسن کرخی، امام شمس الائمہ حلوائی، شمس الائمہ سرخسی، امام فخر الاسلام بزدوی اور فخر الدین قاضی خاں وغیرہ۔

چوتھا طبقہ :

وہ حضرات جن میں اجتہاد کی بالکل قابلیت نہیں ہوتی، البتہ اصول میں مہارت اور دلائل میں نظر تامہ ہونے کی وجہ سے کسی مجمل قول کی تفصیل اور ذو وجہین قول کی تعیین کر سکتے ہیں، ان کو اصحاب تخریج کہتے ہیں اور یہ حضرات چوتھے طبقہ میں شمار ہوتے ہیں جیسے امام جصاص رازیؒ وغیرہ۔

پانچواں طبقہ :

وہ فقہاء جو مقلد محض ہوں البتہ دلائل کو سامنے رکھ کر مختلف روایات میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دیتے ہوں اور ایک قول کی دوسرے قول پر فوقیت بتلاتے ہوں مثلاً یہ فیصلہ کرتے ہوں کہ ھذا اولی، ھذا اصح، ھذا اوفق بالقیاس وغیرہ ایسے حضرات اصحاب ترجیح کہلاتے ہیں اور پانچویں طبقہ میں شمار کیے جاتے ہیں، جیسے امام ابوالحسن قدوری، صاحب ہدایہ وغیرہ۔

چھٹا طبقہ :

وہ فقہاء جو صرف مقلد ہوں مگر ان میں قوی، ضعیف، ظاہر روایت اور نوادرات میں اور مقبول و مردود روایات میں فرق اور تمیز کرنے کی صلاحیت ہو تو ان کو اصحاب تمیز کہتے ہیں اور چھٹے طبقہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ جیسے متون معتبرہ کے مصنفین، صاحب وقایہ، صاحب کنز، صاحب مختار اور صاحب مجمع وغیرہ۔

ساتواں طبقہ :

ان مقلدین کا ہے جن کو مذکورہ چیزوں میں سے کسی بات پر قدرت نہیں ہوتی بلکہ وہ حضرات جو قول جہاں پاتے ہیں نقل کر دیتے ہیں یہ لوگ مقلد محض کہلاتے ہیں اور ساتویں طبقہ میں شمار ہوتے ہیں ان کے اقوال پر اعتماد کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے فالویل لمن قلدہم کل الویل۔

مولانا عبد الحی لکھنوی نے مقدمہ عمدۃ الرعایہ میں علامہ کفوی سے فقہاء
کی یہ طبقاتی تقسیم اور طرح سے نقل کی ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

فاعلم انہ ذکر الکفوی فی طبقات الحنفیۃ ان الفقہاء یعنی
من المشائخ المقلدین علی خمس طبقات الخ۔

لیکن ان دونوں قولوں کے درمیان تعارض نہیں ہے کیونکہ کفوی نے دو قسموں
کو بیان نہیں کیا ہے ایک پہلی قسم یعنی مجتہد مطلق، اور ایک اخیری قسم یعنی مقلد
محض (عامی) لوگوں کا سب سے اخیری طبقہ، اگر دونوں کو ذکر کرتے تو ان کے
یہاں بھی سات قسمیں ہو جاتیں، البتہ علامہ علاؤ الدین حصکفی سے اس سلسلہ میں
تسامح ہو گیا ہے، انہوں نے در مختار میں لکھا ہے کہ: قد ذکروا ان المجتہد
المطلق قد فقد، اما المقید فعلی سبع طبقات مشہورۃ اھ حالانکہ مقلد کے
سات طبقے نہیں ہیں بلکہ صرف چھ ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ ابن کمال پاشا کی یہ طبقاتی تقسیم
اپنی جگہ پر صحیح ہے مگر اس میں فقہاء کی جو درجہ بندی کی گئی ہے وہ محل نظر ہے۔

پہلا اشکال یہ ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد کو طبقۂ ثانیہ میں شمار کیا ہے
اور لکھا ہے کہ یہ لوگ اصول میں اپنے امام کی مخالفت نہیں کر سکتے حالانکہ ان حضرات
نے کثرت سے امام صاحب کی اصول میں بھی مخالفت کی ہے مثلاً مجاز حقیقت کا
نائب تکلم میں ہوتا ہے یا حکم میں؟ اسی طرح نجاست غلیظہ اور خفیفہ کی بنیاد مقرر
کرنے میں چنانچہ امام غزالی نے "المنخول" میں لکھا ہے کہ انہما خالفا ابا حنیفۃ
فی ثلثی مذہبہ اھ۔ اس اشکال کا ایک جواب محمد بن عبد الستار کردری نے دیا ہے
کہ خود امام صاحب نے جب ان کی علمی اور اجتہادی استعداد خوب جانچ لی تو ان کو

تقلید کرنے سے منع فرما دیا اور کہ مجتہد کے لیے کسی کی تقلید کرنا درست نہیں ہے اسی لیے فرمایا کہ لا یحل لاحد ان یاخذ بقولی مالم یعلم من این قلنا۔ اس وجہ سے انہوں نے دلائل کو دیکھنا شروع کیا بعض جگہ ان کو دلیل معلوم نہ ہو سکی بلکہ امام صاحب کے قول کے خلاف دلیل معلوم ہوئی تو انہوں نے امام صاحب کے ارشاد ہی سے امام صاحب کا خلاف کیا۔

دوسرا جواب مولانا عبد الحئی نے دیا ہے فرماتے ہیں فالحق انهما مجتهدان مستقلان نالا رتبة الاجتهاد المطلق الا انهما لحسن تعظيمها لاستاذهما وفرط اجلالهما لاماميهما اصلا اصله۔ وسلكا نحوه وتوجها الى نقل مذهبه وتائيده وانتصاره وانتسبا اليه (مقدمہ عمدۃ الرعایہ ص۹)

یعنی صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات مجتہد مطلق تھے انہوں نے یہ درجہ حاصل کر لیا تھا مگر اپنے استاذ رحمۃ اللہ علیہ کی جلالت شان اور تعظیم و ادب کی وجہ سے انہیں کے اصول کے تابع رہے اور انہی کے مذہب کی نشر و اشاعت کر کے اس کی تائید و نصرت کرتے رہے اور انہی کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ انہوں نے علامہ خصاف اور طحاوی و کرخی رحمہم اللہ تعالیٰ کو تیسرے طبقہ میں شمار کیا ہے یعنی ان حضرات میں شمار کیا ہے جو نہ اصول میں مخالفت کر سکتے ہیں نہ فروع میں۔ حالانکہ ان حضرات کا درجہ اس سے اونچا ہے کیونکہ انہوں نے بہت سے مسائل میں امام اعظمؒ کا خلاف کیا ہے جیسا کہ کتب فقہ اور کتب خلافیات دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔

تیسرا اشکال یہ ہے کہ انہوں نے ابوبکر جصاص رازی کا درجہ گھٹا دیا ہے کیونکہ

ان کو جو تھے طبقہ میں شمار کیا ہے حالانکہ آپ تیسرے طبقہ والوں سے یعنی شمس الائمہ حلوانی اور قاضی خان وغیرہ سے زمانہ اور علم و رتبہ کے اعتبار سے بڑھے ہوئے ہیں یہ حضرات تو ان کے مقابلہ میں بمنزلہ بچوں کے ہیں۔ اسی طرح صاحب ہدایہ اور قدوری کا درجہ بھی گھٹا دیا ہے حالانکہ یہ حضرات بھی قاضی خان سے بڑھے ہوئے ہیں اور بالفرض بڑھے ہوئے نہ ہوں تو برابر کے تو ضرور ہیں پس چاہیئے تھا کہ قدوری اور صاحب ہدایہ کو بھی تیسرے درجہ میں شمار کرتے اس لیے کہ خود قاضی خان اور زین الدین عتابی سے نقل کیا گیا ہے کہ صاحب ہدایہ فقہ میں اپنے معصروں پر فوقیت رکھتے تھے بلکہ اپنے اساتذہ سے بھی سبقت لے گئے تھے۔

کیا اب بھی مجتہد مطلق پیدا ہو سکتے ہیں؟

النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر (مقدمہ جامع الصغیر) میں حضرت مولانا عبد الحئی صاحب لکھنوی نے ایک بحث یہ چھیڑی ہے کہ اس وقت اجتہاد کی گنجائش ہے یا نہیں؟ آپ نے اس سلسلہ میں چند اقوال نقل کیے ہیں۔

ایک یہ کہ ائمہ اربعہ پر اجتہاد ختم ہو گیا ہے اب کوئی مجتہد پیدا نہیں ہو سکتا لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ ائمہ اربعہ کے بعد بھی کچھ لوگ اس درجہ پر پہنچے ہیں مگر یہ اتفاق کی بات ہے کہ ان کا مسلک چل نہیں سکا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ تیسری صدی کے بعد اجتہاد موقوف ہو گیا ہے۔

تیسرا قول: بعض اسد ایولی سے نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ کے بعد کوئی مجتہد

مطلق پیدا نہیں ہوا۔ میزان الاعتدال" میں علامہ شعرانیؒ نے ذکر کیا ہے کہ علامہ سیوطیؒ کا قول یہ ہے کہ اجتہادِ مطلق کی دو قسمیں ہیں ایک مجتہد مطلق غیر منتسب جیسے ائمہ اربعہ، دوسری قسم مجتہد مطلق منتسب جیسے ان کے اکابر تلامذہ۔ پہلی قسم مجتہد مطلق غیر منتسب ہونے کا دعویٰ ائمہ اربعہ کے بعد کوئی نہیں کر سکتا، محمد جریر طبریؒ نے ایسا دعویٰ کیا مگر انہیں کامیابی حاصل نہیں ہوئی، البتہ مجتہد مطلق منتسب پیدا ہو سکتے ہیں۔

ایک قول یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ علامہ نسفیؒ تک اجتہاد ہو سکتا تھا اب نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اجتہاد اللہ تعالیٰ کی ایک خاص رحمت اور فضل ہے جو کسی خاص زمانہ اور وقت تک محدود نہیں ہے اس لیے اب بھی اس کا امکان ہے کہ مجتہد مطلق پیدا ہوں مگر عالمِ واقعہ میں ائمہ اربعہ کے بعد کوئی مجتہد مطلق پیدا نہیں ہوا ہے گو کہ امکان ضرور ہے۔

طبقاتِ کُتب و طبقاتِ مسائل :

جس طرح فقہائے کرام کے درجات ہیں اسی طرح فقہ حنفی کے مسائل اور کتابوں کے بھی درجات ہیں جن کا جاننا ضروری ہے تاکہ جس وقت اقوال میں تعارض معلوم ہو راجح پر عمل کر سکے۔ فقہ حنفی کے مسائل تین طبقات پر منقسم ہیں:

پہلا طبقہ ظاہر روایت کا ہے ان کو مسائل اصُول بھی کہا جاتا ہے یہ وہ مسائل ہیں جو امام محمدؒ کی چھ کتابوں میں مذکور ہیں وہ چھ کتابیں یہ ہیں۔ جامع صغیر، جامع کبیر، سِیَر صغیر، سِیَر کبیر، مبسوط اور زیادات۔ ان کتب کے مسائل کو ظاہر روایت

اس لیے کہتے ہیں کہ صاحبِ مذہب تک ان کی سند ظاہر اور معلوم ہے، جب تک ان مسائل کے خلاف عمل کی ترجیح کسی دلیل سے معلوم نہ ہو وہاں تک ان پر عمل کرنا ضروری ہے، المبسوط کا دوسرا نام اصل بھی ہے اس لیے کہ امام محمدؒ نے سب سے پہلے اسی کو تصنیف کیا ہے۔

مبسوط کو دیکھ کر ایک یہودی حکیم یہ کہتے ہوئے مسلمان ہوگیا تھا ھذا کتاب محمدکم الصغیر فکیف کتاب محمدکم الکبیر (طحاوی)

جامع صغیر میں ۱۵۳۲ مسائل ذکر کیے گئے ہیں ان میں سے صرف دو مسئلوں میں قیاس اور استحسان سے کام لیا گیا ہے، مشائخ کے نزدیک اس کتاب کی بہت زیادہ اہمیت رہی ہے حتی کہ جب تک اس کو حفظ نہ کر لیا جاتا عہدۂ قضاء سپرد نہیں کیا جاتا تھا۔ امام ابو یوسفؒ کی فرمائش پر امام محمدؒ نے یہ کتاب لکھی ہے جب امام محمدؒ نے یہ کتاب لکھ کر پیش کی تو امام ابو یوسفؒ بہت خوش ہوئے اور بہت سی دعائیں دیں اور یہ فرمایا کہ امام محمدؒ سے چار مسائل میں سہو ہو گیا ہے ان کی روایت میں نے نہیں کی، ان چار میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کسی نے نفل کی نیت سے چار رکعت نماز اس طرح پڑھی کہ اول رکعت میں قراءت پڑھی، دوسری میں ترک کی، تیسری میں پڑھی اور چوتھی میں ترک کی اس کا کیا حکم ہے ؟ امام محمدؒ کو جب معلوم ہوا تو کہا میں نے غلطی نہیں کی امام ابو یوسفؒ نے مجھ سے یہی روایت کی تھی لیکن خود انہیں یاد نہیں رہا، امام ابو یوسفؒ اپنی جلالتِ شان کے باوجود اپنے سفر و حضر میں یہ کتاب اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

دوسرا طبقہ "نوادر" کا ہے، یہ وہ مسائل ہیں جو ائمہ ثلاثہ حنفیہ سے مروی تو ہیں

مگر امام محمدؒ کی مذکورہ بالا چھ کتابوں میں نہیں ہیں بلکہ ان کے علاوہ دیگر کتابوں میں ہیں مثلاً کیسانیات، ہارونیات، جرجانیات، رقیات وغیرہ کتابوں میں یا امام ابو یوسفؒ کی امالی میں ہیں، ان کو غیر ظاہر روایت بھی کہتے ہیں اس لیے کہ ان کی سند ظاہر نہیں ہے۔

کیسانیات وہ مسائل ہیں جن کو سلمان بن شعیب کیسانیؒ نے امام محمدؒ سے روایت کیا ہے اور ہارونیات وہ مسائل ہیں جن کو ہارون الرشید کے زمانہ میں جمع کیا ہے اور جو مسائل علی بن صالح جرجانیؒ نے امام محمدؒ سے روایت کیے ہیں ان کو جرجانیات کہا جاتا ہے اور رقیات وہ مسائل ہیں جن کو امام محمدؒ نے مقام رَقّہ میں قاضی ہونے کے زمانہ میں جمع کیا تھا، امالی جمع ہے املاء کی، پہلے زمانہ میں یہ دستور تھا کہ استاذ مسندِ درس پہ بیٹھ جاتا تھا اور اپنے حافظہ سے شاگردوں کو مسائل لکھواتا تھا اور جو کچھ جمع ہو جاتا اس کو کتابی شکل دے دی جاتی۔ اس کو امالی کہا جاتا ہے، علمائے شافعیہ اس کو تالیفات بھی کہتے ہیں۔

تیسرا طبقہ فتاویٰ اور واقعات کا ہے اور یہ وہ مسائل ہیں جن کو متاخرین نے کسی ایسے واقعہ کے متعلق جس کے سلسلہ میں صاحب مذہب سے کوئی روایت موجود نہیں ہوتی استنباط کیا ہوتا ہے۔ مثلاً امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے شاگردوں میں عصام بن یوسف بن رستم، محمد بن سماعہ، ابو سلیمان جوزجانی، ابو حفص بخاری، محمد بن سلمہ وغیرہ کے اس قسم کے استنباطات کو فتاویٰ اور واقعات کہا جاتا ہے۔ واقعات اور فتاویٰ میں سب سے پہلے امام الہدیٰ فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے کتاب النوازل تصنیف فرمائی ہے۔ انہوں نے اس میں متاخرین علماء

یعنی اپنے مشائخ و اساتذہ کے فتاویٰ بھی جمع کیے ہیں، پھر ان کے بعد علمائے کرام ان کا اتباع کرتے ہوئے واقعات کی کتابیں لکھیں اور مسائل مختلطہ کو ترتیب وار جمع کیا۔ مثلاً فتاویٰ قاضی خان، خلاصۃ الفتاویٰ وغیرہ۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ محققین فقہاء کے نزدیک مسائل کی چار قسمیں ہیں:۔

قسم اول۔ ظاہر مذہب کے مسائل ان کا حکم یہ ہے کہ وہ ہر حال میں قبول کیے جائیں گے۔ قسم دوم روایات شاذہ جو امام صاحبؒ سے نقل کی گئی ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک اصول مقررہ کے موافق نہ ہوں تسلیم نہیں کی جائیں گی۔ قسم سوم متاخرین کے مستنبطات یعنی متاخرین کے نکالے ہوئے وہ مسائل جن پر جمہور فقہاء کا اتفاق ہو چکا ہو اس کا حکم یہ ہے کہ ہر حال میں ان سے فتویٰ دیا جائے گا۔ قسم چہارم وہ مسائل مستنبطہ جن پہ جمہور فقہاء کا اتفاق نہ ہوا ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ اصول مقررہ اور کلام سلف صالح سے ملایا جاوے گا اگر موافق ہوں تو تسلیم کیے جائیں گے ورنہ ان کو ترک کر دیا جائے گا۔

اگر متون، شروح اور فتاویٰ کے مسائل میں تعارض ہو تو متون کا اعتبار کیا جائے گا، کیونکہ ان کے مصنفین نے یہ التزام کیا ہے کہ غیر معمول بہا یا ضعیف مسائل کو ذکر نہ کریں۔ متون معتبرہ چار ہیں ۱ وقایہ ۲ کنز الدقائق ۳ مجمع البحرین ۴ مختار۔ بعض حضرات کے نزدیک مختار کے بجائے مختصر القدوری متون اربعہ میں داخل ہے اس کے بعد شروح معتبرہ کو فتاویٰ پہ ترجیح ہو گی اس کے بعد فتاویٰ کا درجہ ہے۔

متقدمین و متاخرین:

فقیہ کے لیے لازم ہے کہ متقدمین اور متاخرین کا فرق یاد رکھے، متقدمین وہ حضرات ہیں جنہوں نے امام اعظمؒ اور صاحبین کا زمانہ پایا، اور ان سے فیض حاصل کیا اور جنہوں نے ائمہ ثلاثہ سے فیض نہیں پایا ان کو متاخرین کہتے ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ امام محمدؒ تک کے علماء کو متقدمین اور ان کے بعد سے حافظ الدینؒ بخاری تک کے علماء کو متاخرین کہتے ہیں۔

علامہؒ ذہبی نے میزان میں متقدمین اور متاخرین کے درمیان حد فاصل تیسری صدی کا شروع قرار دیا ہے یعنی تیسری صدی سے پہلے تک کے علماء متقدمین کہلاتے ہیں اور تیسری کے آغاز سے متاخرین۔

سلف و خلف:

فقہاء کی اصطلاح میں امام اعظمؒ سے امام محمدؒ تک سلف اور امام محمدؒ کے بعد سے شمس الائمہ حلوائیؒ تک خلف کہلاتے ہیں۔

قالوا: لفظ قالوا کا استعمال فقہاء وہاں کرتے ہیں جہاں فقہاء کا اختلاف ہو۔

قیل: بارہا فقہاء کسی حکم کو بیان کرتے ہوئے قیل کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور شراح اور محشی حضرات اس کے نیچے لکھ دیتے ہیں کہ یہ اس حکم کے ضعف کی طرف اشارہ ہے۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس صیغہ کے

استعمال کرنے والے نے یہ التزام کیا ہے کہ وہ کسی حکم مرجوح کو اس صیغہ سے بیان کیا کرے گا تب یہ لفظ اس قول کے ضعف کی طرف اشارہ ہوگا۔ جیسے ملتقی الابحر کے مصنف کی عادت ہے جیسا کہ خود انہوں نے دیباچہ میں اس کی تصریح فرمادی ہے ورنہ اس لفظ کے استعمال سے اس کے ضعف کا قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اسی لیے علامہ شرنبلالیؒ نے فرمایا ہے قیل لیس کل ماد خلت علیہ یکون ضعیفا کہ ہر وہ مسئلہ جس پر قیل آیا ہو اس کا ضعیف ہونا ضروری نہیں اور اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ جو مشہور ہو گیا ہے کہ قیل اور یقال اور اس جیسے صیغے صیغۂ تمریض ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ صیغے اسی معنی کے لیے وضع کیے گئے ہیں اور ہر وقت اسی مقصد کے لیے استعمال ہوتے ہیں بلکہ یہ بات صرف اس وقت ہے جب کہ اس کے قائل کے التزام سے یا کلام کے سیاق و سباق سے یا کسی دوسرے قرینہ سے یہ بات معلوم ہو جائے ورنہ یہ تمریض کے لیے نہیں ہوں گے۔

ینبغی اور لا ینبغی:۔ متقدمین فقہاء کے یہاں اس کا استعمال عام ہے لیکن متاخرین کے نزدیک ینبغی مستحب کے لیے اور لا ینبغی مکروہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور مصباح المنیر کے مصنف کی رائے یہ ہے کہ اس کے معنی کبھی "یجب" اور کبھی "یندب" کے ہوتے ہیں یعنی جیسا موقع ہوگا اسی کے مطابق استعمال ہوگا۔ علامہ شامیؒ نے کہا ہے کہ ینبغی سے وجوب مراد لیا جائے گا۔ اگرچہ کبھی یہ لفظ غیر وجوب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

لا بأس:۔ کا استعمال ترکِ اولیٰ کے لیے خاص نہیں ہے بلکہ مندوب

میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔ لا بأس اس پر دلیل ہے کہ یہ کام غیر مستحب ہے لیکن مندوب و مستحب میں بھی کبھی کبھی یہ لفظ استعمال کر لیا جاتا ہے۔

تَمَّتْ بِالْخَیْرِ